کایا پلٹ

یا

استحالہ

مصنف محمد سجاد حسین اڈیٹر اودھ پنچ و آزاد لکھنؤ

(بار سوم)

بعد ترمیم و اضافہ چند مضامین [illegible]

مطبع شام اودھ لکھنؤ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۰۵ء

[illegible] اودھ پنچ [illegible]

جلدیں قدیم ہفتہ وار باتصویر اودھ پنچ - قیمت عام [illegible] سالانہ [illegible] روپے - سالانہ پیشگی مع محصول -

جلد سالانہ اودھ پنچ

[illegible] دلی کے حق میں [illegible] ظرافت کا اخبار ہفتہ وار اودھ پنچ کے پرچے - قیمت فی جلد [illegible] محصول [illegible]

سرگزشت حاجی بغلول

(تازہ تصنیف اڈیٹر اودھ پنچ)

ظرافت مذاق میں شرابور - فصاحت اور بلاغت کے دریا میں ڈوبا ہوا ناول ہے جسکے [illegible] مشتاق [illegible] سے تھے - ہر فقرہ میں مذاق اور [illegible] فقرہ [illegible] [illegible] کا کوئی ناول اردو میں اب تک نہ نکلا ہوگا [illegible] کوئی صفحہ پڑھا جائے اور آدمی کو مارے ہنسی کے لوٹن کبوتر نہ بنا دے - ایشیا اور یورپ کے مشہور شوخ طبع ظرافت نگار شعرا اور انشاپرداز مثل [illegible] [illegible] انگریزی میں مارک ٹوین ڈکنس [illegible] [illegible] کے [illegible] اردو میں [illegible] کیا گیا [illegible] سے [illegible] طرز بیان [illegible] [illegible] صرف دفتر اودھ پنچ سے مل سکتا ہے -

دیباچہ

ناول اور دیباچہ۔ یعنے چہ۔ یہ پرانا دھرا تکلف۔ حمد ہے نعت ہے۔ منقبت ہے۔ حاکم وقت کی تعریف ہے۔ دیباچہ ہے۔ سبب تالیف ہے۔ سب فضول اور فضول بھی کیوں؟ ناظرین کو اتنی فرصت کہاں کہ تضییع اوقات فرمائیں۔ مگر نہیں۔ ایک بات ادھر بھی اور ناہم گوش گزار کرتی ہے۔ سلف سے ایک کسی نے شاید نہ کہی ہو۔ ہم بعض اس خیال سے کے دیتے ہیں کہ اپنی گرانبہا جنس کی خوبیوں پر ایسا اطمینان ہو کہ فضول ظاہری مصنوعی تکلف کی کوئی حاجت ہی نہیں

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

اچھا لے اب وہ بات بھی سن لیجئے کہ گرہ میں باندھ لیجئے۔ جو پیچھے کام آئے گی یعنے یہ قصہ بالکل گھڑا ہوا ہے۔ آیا ذہن مبارک میں؟ واللہ سچ جانیے گا بندہ از راہ انکسار و تکلف نہیں کہتا۔ نفس الامر یہی ہے۔ قصہ کو اگر جھوٹ جانیے گا تو قاصی گلہ نہ کریںگے نہ بندہ شکوہ۔ اور اگر کہیں راستی کی جھلک دیکھیے گا تو آپ اپنی باریک بینی کی داد دیجئے گا۔ یہاں کسی پر احسان نہ ہوگا

فسانہ نگار

کایا پلٹ

باب پہلا

"خدا کی دین"

میاں عبدالکریم جنگ صاحب "لوگ عبدل" اور ہندوستانی "کریم" کہا کرتے تھے کچھ تو سپاہی کے خبط اور کچھ زمانے کے رگیدنے سے جا پہنچے مصر۔ اور وہ بھی سوء اتفاق سے کب؟ جبکہ مہدی سوڈانی اور انگریزوں سے جوتی پیزار چل رہی تھی۔ سر تیغ و نصرت تو حسب قاعدہ مستمرہ انگریزوں ہی کے نام ہوتی تھی مگر انہیں بھی کلام نہیں کہ کبھی کبھی سوڈانی ننگ دھڑنگ مجنونے بالطبع ننگی پیٹھ۔ تہمد باندھے شمشیر بکف۔ جہاد کے نشے میں چور۔ رسالے توپخانے کی زد کو بادل کی گرج اور برق کی چمک سے بھی بے حقیقت جان کے دندناتے چلے آتے۔ اور ہمیں تک چھین لیتے اور فوج ظفر موج کو باقاعدہ واپس آنا پڑتا۔ جرأت بسالت شجاعت اور وحشت نے گو مذہب کے مہدی کے اعجاز، کرامت، خرق عادات کا ڈھنڈورا پیٹ دیا تھا اور انصاف تو یہ ہے کہ بخت و اتفاق سے جو چار روز کے بھی پیش آ جاتے۔ غیر مترقب تھیں دشمنوں کو ایسی نصیب ہو جاتیں کہ مہدی میں ایک خاص باطنی قوت کا اعتقاد بے سر و سامان و بے قاعدہ جنگ و جدل والے حریف کو کامیابی کی امید، فتح کا یقین اس طرح دلا دیتا کہ آتشبار گھمسان لڑائیوں میں دست بدست لڑنے اور مورچے چھین لینے میں ذرا بھی نہ جھجکتا۔

میاں کریم کو خدا کی عنایت سے میدان جنگ پر جانے کی نوبت تو کبھی نہ تھی مگر اسی میں مورخین کو اتفاق ہے کہ مفرور طور سے بھاگنے میں ہمیشہ آپ بھی تکلیف شرکت گوارا کرنی پڑتی تھی۔

چنانچہ ایک دفعہ جب دشمن نے ایک نہایت سخت مقابلہ کیا اور سامنے سے بندوقیں چھین لیے سامان رسد کئی توپیں گولہ بارود۔ بہت کچھ ہاتھ لگے ہاتھے چڑھا اور انگریزی فوج تو کہ تم بھاگ گئی ہے تو ہمارے میاں کریم کے بھی چند ہمسر سنگ ساتھ سراسیمہ و پریشان ہوش کی گٹھری سے بیٹھ کر جوتیاں بغل میں دبا ایک طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ غیر ملک۔ غیر زبان۔ غیر قوم۔ کہیں پیچھے ہٹنے تک کا سہارا نہیں۔ گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ نے ساتھیوں کو حواس کے ساتھ منتشر کر کے تتر بتر کر دیا۔ یہ بیچارے بھی خرگوش کی طرح ادھر ادھر بھاگتے بھوکتے قریب شام ایک ایسے مقام پر پہونچے جہاں صرف ایک ٹوٹی قبر تھی زندگی سے تو ہندوستان چھوڑتے ہی ہاتھ دھو چکے تھے۔ قبر کی کسر تھی وہ بھی بنی بنائی مل گئی۔ اندھیری بھی جھکتی آتی تھی۔ خستہ بھر بھرے بھی ہو رہے تھے ماندگی کی بیڑیاں پاؤں میں جکڑ رہی تھیں۔ غرضکہ بارہ مسالے اکٹھے تھے۔ اب میاں کریم یہاں سے کہاں ٹلنے والے۔ تھے وہیں بیٹھ گئے گرچہ رات بھر تو خیر جسطرح ایسے حال میں سب کی کٹتی ہے انکی بھی کٹی۔ صبح کو جب سامان فراد یکھ لیس ہوا تو اس مزار پر ایک لوح نظر آئی نقوش خدا نخواستہ کیوں جاننے لگے تھے۔ مگر پرانی چیزوں کے شوق نے زبردستی آمادہ کر دیا کہ جسطرح بنے اسکو اکھاڑ کر لے ہی بھاگو۔ خیال کا گزرنا۔ ارادے میں تصمیم آنا اور کاروائی شروع ہونی ایک لمحے کا کام تھا۔ اب جیب لوح کھود کر جیب میں رکھ نو دو گیارہ ہوئے۔

قسمت کے سچے دھنی۔ دو تین پہر سر پہ دور سیدھے سوا ادر رہا آخر کار اپنی فوج کے ایک حصے سے آملے اور کارناموں کی تاریخ کی ایک فصل جس کا مضمون بھی تازہ ہمراہ لائے۔

سلامتی سے آپ کو عجائبات اور قدیم یادگاروں کی نشانیوں کے فراہم کرنے کا شوق بھی تھا۔ قسمت میں گردش تو ازل سے لکھی تھی موقع اسطرح کی چیزوں کے جمع کرنے کا اکثر رہتا تھا ہر جگہ اثاث البیت سے زیادہ یہی کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا۔ مختلف ولایتوں اور سنوں کے ٹکٹ۔ پوسٹ کارڈ۔ پرانے سکے۔ کہنہ کتبے

پیاریوں سے کچھ جھیونکے زیور وغیرہ جسطرح بنتا جمع کرتے۔ پس اس لوح کو بھی اس ذخیرے مین جمع کیا اور مشاغل معمولی مین مصروف ہوے۔

دوسرا باب

عجیب غریب پارسل

حضرات ناظرین۔ میان کریم کو تو مصر مین خاک چھانتے دیکھئے۔ اب انکے دولت خانے یعنے ہندوستان ترقی و تہذیب نشان کی طرف توجہ کا گھوڑا بڑھائیے اور شہر اور محلہ اور پھر مکان کی تلاش مین چند مہینے صرف فرمائیے ایک متوسط حیثیت کے کچے پکے یعنے نیم پختہ (آدھی کھدر) مکان مین جسمین ازراہ اختصار صرف ایک دالان۔ دو کوٹھریان۔ ایک اکدرہ۔ کنوان باورچیخانہ اور مع مبالغہ تین تسو لانبی اور ڈھائی تسو چوڑی انگنائی ہے۔

دالان مین ایک جانب پلنگ پر جسکے سرہانے کی طرف بچھونے اُلٹے ہین پانتی ایک پیرزالہ۔ سوکھی انجور۔ سن سفید۔ گوری چٹی نکلی چھری سے ترکاری چھیل رہی ہین۔ ہاتھون سے ٹپک پہ سر کھوسٹی کو بجا صدمے ہے جھریان بے حد و بے حساب پڑی ہین مگر آنکھون کی چمک۔ آواز کی کڑک۔ چھری کی گرفت سے ظاہر ہے ابھی ماشاءاللہ بہت دن جینے کا قصد ہے۔

کوٹھری کے سامنے ایک چوکی پر صاف شفاف فرش بچھا ہے۔ گاؤ تکیہ لگا اور ایک نوعمر آمنی کوری گدرایا بدن۔ خندہ پیشانی۔ کنگھی چوٹی۔ تیل پانی سے لیس۔ پانداں کی جگہ قلمدان سامنے دھرے خط لکھ رہی ہے۔ سامنے کو ماما جی جنکی تاریخ پیدائش ڈیوڑی بی کی طرح صفحہ ہستی پر بہت کچھ مدھم پڑ چکی ہے۔ اور جنکی تہ مین چولہا سا لگانے مین گانزر بیان کر رہی۔ آدھی جلی اور آدھی انجلی پھکنی کو اٹھا اٹھا چولھے کے آگے سے ہی ٹپاک کرتی اور لکڑی ملاے۔ لکڑیون کے جوان۔ چھٹے سب کو گالیان کوستے دیتی جاتی ہین کہ اتنے مین باہر سے صدا آئی "ماما جی ماما جی۔ پارسل لے جاؤ"

ماما جی چولھے مین سر ڈالے نفخت فیہ من روحی کا دم لگا رہی تھین بھلا ایسی کب

سنتی رہیں - ادھر پکارنیوالے کا دم بھولا جاتا تھا - آخر بڑی بی نے ڈانٹ بتائی - ارے ای اوظہورن ظہورن - اوظہورن - موئی خیبانی سنتی بھی نہیں - دیکھ تو کون آواز دیتا ہے بی ظہورن بھنڈے بال سنوارتی بگھیروٹ میں بیٹھی دوپٹیا کے عوض صافی چوندی پر ڈالتی - کچھ آہستہ آہستہ بڑبڑاتی ڈیوڑھی پر جا پہونچیں - دیکھا لالہ ڈاکیہ پرشاد کاندھے پر بھاری پارسل لادے گلے میں آدھا ترا سے تو بہ تھیلا ڈالے پسینے میں شرابور کھڑے ہیں

ڈاکیہ - لیو - یو پارسل آوا ہے کہوں بلایت سے - بار بوجھ کے مارے پست ہوئے گئے ہو - اور لیو ایک خط ہے -

بیگم صاحب سے کہو گریب پور (غریب پرور) انام (انعام) ملا چاہی -

ماماں - لاؤ - لاؤ - جو ہو - وسے آئن - انعام دعام گیا چولہے میں - یہاں سے ہی تو لینا یہاں رات دن موئے جلتے ہیں اسپر وہی موت کا طوبا اتر میں -

ماماں جی نے پارسل لاکر پلنگ پر دے مارا اور خط پھینک کے باورچی خانے کو چلتی ہوئیں -

بڑی بی (جوان عورت سے) قیصر دلہن - لو یہ خط لو - دیکھو کیا لکھا ہے کون چیز بھیجی ہے

ہوئے خط کھولا مضمون یہ تھا

مونس و غمگسار من -

اگرچہ خط لکھنے میں کبھی کبھی دیر ہو جاتی ہو - مگر میں جہاں ہوں جس حال میں ہوں تمہارا خیال ایک لمحہ بھی دل سے محو نہیں ہوتا - بلکہ جسقدر تم سے دور ہوتا ہوں اسیقدر میرا دل تم سے نزدیک ہوتا جاتا ہے - مگر نوکری کا معاملہ حکم حاکم مرگ مفاجات - سینے پر سل رکھکے سب گوارا کرتا ہوں - تم گھبرانا نہیں - اگر زندگی ہے عنقریب ملتا ہوں - تم مجھے برابر اسی پتہ سے خط بھیجے جانا - جہاں میں ہونگا لے جائیگا - میری تحریر کا انتظار نہ کیا کرو - کم سے کم ہفتہ وار تو خط بھیجا کرو - اس غربت اور مسافرت میں بلا سے کچھ تو دل بہلے - یہاں کا حال اچھا ہے - خدا کا شکر ہے - تکلیفات و مصائب کا کیا ذکر جو ہو غنیمت ہے - تم میرا سفرنامہ دیکھوگی تو معلوم ہوگا ہم لوگوں کی زندگی آجکل کیسی کٹتی ہے یقین ہے والدہ کا مزاج صحیح ہوا ہوگا اور تمنے اپنی مشغولیت اور

اطاعت سے انکے دل مین اتنی جگہ کر لی ہو کہ ساس بہو کے مشہور قصون کی نوبت نہ آتی ہو۔

اس خط کے ساتھ ایک پارسل پہونچیگا والدہ صاحبہ سے کہنا کھول ڈالین شیشی مین عطر کا سرمہ ہی اوسکا غلاف مین تسبیح لپٹی ہی والدہ صاحبہ نکال لین اور باقی سنگھے اور کان کا زیور اگر تمکو دین تو تم لے لینا۔ باقی چند ٹکٹے اور دو چھوٹی تصویرین اور کچھ پتھرون کے ٹکڑے اور ایک لوح ہے وہ با احتیاط رکھ چھوڑ جاوے مین عنقریب آنیوالا ہون والدہ صاحبہ کی خدمت مین بہت ادب سے آداب پہونچے۔ آپ کا غلام قدمون سے آنکھین لگانے کو حاضر ہوتا ہی سب طرح خیریت سے ہی۔

تمہارا فدائی عبدالکریم

بہو نے خلاصہ مضمون پڑھکر ساس کو سنایا اور دونون پارسل کھولنے پڑیلین۔ سوم جامہ تو خیر نوچ ناچ بڑی بی ہی نے الگ کیا مگر شین آج کتنا ہی نہ کل۔ ترکاری کی چھری۔ سروتا۔ قینچی۔ سکین۔ سل کا بٹا۔ غرضکہ جملہ سامان حرب کام مین لایا گیا۔ بہو پسینے مین غرق۔ ساس کا زور کرتے کرتے دم چڑھ گیا۔ بکلی فوج باورچخانے کے سامان ہی دیپٹے سے مسلح ہوچکین غرضکہ بڑی محنتون ترکیبون سے بکس صاحب کھلے اور دونون بیویون نے خوش خوش اسطرح اسکا جائزہ لیا جسطرح جنگی دستے سپاہی۔ بڑی بی نے کریم کو ہزارون دعائین دین ہر ہر چیز کا تخمینہ بھی لگا دیا اور زیور تو اسیوقت بہو کو پہنا دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا پھر اسی مین رکھ دینا۔ جب اصل خیر سے تمہارا پردیسی گھر آئیگا تو اپنے ہاتھ سے پہنائے گا۔

ادھر ڈاکیہ کو دیکھئے وہ انعام کیواسطے اڑا ہوا ہی ٹلنے کا نام ہی نہین لیتا۔ یہان بھلا کسکو فرصت تھی کہ کوئی خبر لو۔ آخر جب سب باتون سے فرصت ہوئی تو بڑی بی نے ارشاد فرمایا۔ لو غضب اندھیر ہی پارسل کوئی بھیجے انعام ہم دین۔ ای تم کون ہو۔ چل پرے مردوے ہوش کی دوا کر۔

ماماں خصورن آپ جانیئے اول تو ہر وقت جھگڑون سے بیزار اور اب دیکھا کہ

خدا بن آنکو بندگی نہ سلام نہ پارسل میں کوئی چیز انکے نام جیل کے پوسٹے کی راکھ ہی تو ہو گئیں۔ اندر سے کرو کے بو ہیں۔

مان۔ لاؤ بیٹیر ماکو۔ برکت ہے اگر ہوتے آنکو کے اشارے سے طوطا ان کو با قلمدان سے دوا فی نکال ڈاکیہ کو بھیجدی)

تیسرا باب

چھوٹے صاحب الکریم

آج او آج تو میاں کریم کے غریب خانے پر بڑا دھوم دھڑکا ہے بھیڑ بھڑکا اندر سے باہر تک وہ چل پہل کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ سواریاں ہیں کہ اتر رہی ہیں۔ ڈولیوں پالکیوں کے بانسوں کا انبار ہے کہ گھر پر بانسمنڈی کا گمان ہوتا ہے کہاروں کا "پردہ بچاؤ کہاں رہی بیچو" بیگم کی بیگم دھاڑ۔ گھر میں سودا سودا غوغا اور شور۔ طبوروں کا کرشن بھاڑ۔ چاء چھینٹا بڑی بی کا تطرب دار چکر گھنیاں کھانا۔ ایک ایسا سماں پیدا کئے ہوئے ہے کہ دیکھنے والوں کو یقین ہوتا ہے۔ ہو نہو کوئی بڑا اہم واقعہ پیش آنیوالا ہے محلے بھر کی عورتیں جلدی آمنڈ آئی ہیں۔ چنبیلی کنجڑن رام دئی پنیہاری نسیمن بھٹی والی بلا قیس کام کاج میں مصروف۔ پاس پڑوس کی عورتوں نے بھی چاروں طرف سے دھاوا بولدیا ہے۔ الغا ہون (یلغار) آئی تھی ٹریاں ہیں چھتوں پر کبوتر کی چھتریوں کا شبہ ہوتا ہے۔ ہمسایوں نے ادہر ادہر سے پلنگ لگا اچک اچک کر پوچھنا شروع کیا "قیصر دولہن کا کیا حال ہے" اور ادہر قیصر دولہن ہیں۔ اوہ۔ آہ میں مصروف کبھی اٹھتی ہیں کبھی بیٹھتی ہیں۔ کسی پہلو قرار نہ کسی کروٹ چین۔ نسیمن دائی (قابلہ) جیتی۔ خاکروبن۔ دو چار بڑی بوڑھیاں اردگرد بیٹھی ہیں۔ دنیا بھر کے گنڈے تعویذ ڈھیلے ہوئے ہیں۔ گھر بھر میں قیصر دولہن کی لگائی گرہیں کھل رہی ہیں بندر کی کھوپڑی پلنگ کے نیچے پڑی ہے۔ تو سیانوں کے یہاں آدمی دوڑ رہے ہیں۔ لاکھوں زور لگائے جاتے ہیں مگر بچے صاحب آج ہوتے ہیں نہ کل۔ ایسی زمین پکڑی ہے کہ چاول بھر تو کھسکتے نہیں۔ نہیں معلوم کس کا ڈر ہے یا اسکول کا خوف۔ امتحانوں کا دھڑکا۔ گھر بھر خوشامد میں مصروف مگر آپ ہیں کہ بیٹھے ہوئے۔ آخر کار

نوبت بایں جا رسید کہ لیڈی ڈاکٹر بلوائی گئیں۔
تکلیف صرف تازہ دم نئے گھن کی صرف ایک پشت کی میم صاحب ہیں۔
پستہ قد۔ سیہ فام۔ چیچک رو۔ سر پہ جالی کا ٹکڑا بندریا کی طرح ڈالے اودے
سینے کا سایہ بہت اونچی ایڑی کے بوٹ کی نوک سے ٹکراتی۔ ٹھمک ٹھمک چال چلتی۔
چکی گھمر گھمر کرتی آپ ہی آپ مسکراتی چلی آتی ہیں انکے پیچھے عطیمن والی نیلا لہنگا
ڈالے لالی گھوڑی بنی۔ آلات بچہ کشی کا بکس بغل میں دابے ہوئے ہیں۔

ادھر میم صاحب تو زچہ پر متوجہ ہوئیں اور ادھر بڑی بی نے سفید چوٹی کھولی۔
لٹ دانت میں دبا ایک پاؤں سے قبلہ رخ کھڑی ہو دعا مانگنی شروع کی۔
"یا علی مشکل کشا مشکل کشائی کیجئے۔ بندی کی خلاص کیجئے یہی وقت ہے۔ آڑی پر کام
آئیے۔ یا مولا کیا دیر لگائی ہے"۔

ایک میں ہی چار صدائیں لگائی ہونگی کہ کچھ تو بڑی بی کے خضوع خشوع،
یکسوئی خاطر کے ساتھ زور۔ توجہ و ہمت کچھ نیچر کے تقاضے۔ کچھ مس گرہم لیڈی ڈاکٹر
کی خارجی تدابیر اور سب سے بڑی بات ڈور کنکوے کی چاٹ بھائی کی جمع کھلونوں
کی بجری سے میاں چھوٹے عبدالکریم۔ گھبرا کر اوندھے منہ نکل ہی تو پڑے۔ لگے
اہلِ دنیا پر گریہ و زاری کرنے۔ گھر بھر میں مبارک سلامت کا غل مچ گیا۔ زچہ خانے کے
جھگڑے بکھیڑے۔ ریت رسم۔ ٹونٹکے غرضکہ آلا بلا سب کچھ ہونے لگے۔ بڑی بی اپنی
گریہ و زاری۔ ماماں ظہورن جدا اپنے تعویذ گنڈوں کی تعریف میں مصروف ہیں
مگر قیصر دولہن کے پیٹ میں اب بجائے بچے کے مس صاحب کی دھتکاری حلول
کر گئی ہے۔ مس گرہم بھی مدوا انفیری پر سانڈ کی طرح پھولی نہیں سماتیں۔ چہرہ
فرطِ ناز و غرور سے دیسی بیگن ہو رہا ہے۔ جیبی رومال سے بار بار پیشانی اور رخسار
سیہ رنگ کا عرق پونچھتی جاتی ---- اور جیب میں خالی ہاتھ ڈالتی اور نکالتی ہیں
کہ اتنے میں فیس نذر کی گئی۔ جیب میں رکھ روانہ ہوئیں مگر جاتے جاتے چلتے چلتے تاکید پر تاکید
"بڑا خبرداری کرنا۔ جب درد ہو۔ ہمکو خبر کرنا۔ ہم فیر (پھر) آئے گا۔ اگرچہ تم ہمکو بلائیگا
ہمارا دائی روج آنے سکتا ہے ہم اسکو حکم دیگا"

چوتھا باب

خدا کی دین کا بڑھیا سے پوچھیئے احوال — کہ لوح دھوکے سے رگڑی تو مگری ہو چکی

آپ جانتے ہیں جس گھر میں جتنا نوسی کریم پردہ یا تیرھویں صدی کی بڑی بوڑھی نانی دادی ہو وہ بچہ بغیر نادِ علی پہنے سدّوکا یک ایسے زندہ رہے۔ کیا مجال گلے۔ تعویذ ڈالتے میں مسلم قرآن شریف سے لیکر چولیں غلافی کے گلابی نیلے کا غذ پر چھپے ہوئے شش قل دعا سریع العرش دعائے جوشن صغیر و کبیر۔ فال دیکھنے والوں کے چھوٹے بڑے تعویذ جنمیں بجز لکیروں کے نہ کسی زبان کا حرف سمجھا جاتا ہو نہ حرمت۔ انگوٹھیاں چھلے لشب۔ چاندی تانبے لوہے کی تختیاں۔ نادِ علی۔ شیر کے ناخن۔ ریچھ کے بال ساری دنیا کا الم غلم گٹھر تک پڑا ہوگا۔ گڑیا میں جیسے ننھے ننھے تعویذ لٹکے پڑھائے قینچے دھگا دھک چیتے پلنگ میں گھٹڑان سے سو اگنڈے تعویذ تھے مرے صاحبزادے میں کہ جھر یا پیر کے یانکے بنے پھر بھلا میاں عبد الرحیم دادی جان کی ہوتی کیوں محروم رہنے لگے تھے۔ ان بڑی بی کو معمول سے زیادہ ایسی باتوں کا شوق بھی تھا۔ شہر میں کون فال والا تھا جسکی اطلاع آپکو نہ ہو کوئی جن روضے والی ایسی نہ تھی کہ اپنی ذات تک کے واسطے کچھ نہ کچھ اس سے لیتی ہوں اور اب تو خدا کی عنایت سے اور بھی ضرورت پیدا ہو گئی تھی اگر کریم بیچارے کو جتنا نبات جمع کرنے کی اتنی دھن نہ ہوگی جتنی انکو گنڈوں۔ تعویذوں کی فکر تھی۔ کریم کی بیوی اگر کچھ زبان سے نکالتی تو آپ اسکو بد اعتقاد اور خدا اور رسول کو نہ ماننے والی کہکر ڈانٹ بتاتیں ایک روز بیٹھے بیٹھے خیال جو سمایا مصر والی لوح یاد آگئی اور خیال کر لیا۔ ہو نہو کریم نے اسی واسطے بھیجی ہوگی۔ بہو نے لحاظ سے نہ بتایا ہوگا۔ آؤ اسکو بھی بچے کے گلے میں ڈالدو۔ چونکہ لوح کسیقدر میلی تھی اور اتنی دور کی۔ نہیں معلوم کسکے کسکے ہاتھ لگ چکے تھے آپنے اسکو خوشبویات سے غسل اور لوبان کی دھونی دیکے رگڑنا شروع کیا تھا کہ ایک گھن گرج آواز آئی۔

موکل۔ مجھے کسواسطے یاد کیا ہے۔ میں لوح کا موکل ہوں جو حکم ہو بجا لاؤں۔

بڑی بی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ایک قوی توانا۔ راون کی یادگار۔ ہیکت سٹھ کا مورث۔ اجلی سر سے پاؤں تک سیاہ عبا پہنے آستین بحر ظلمات سے زیادہ لمبی

چونسی پیٹ گنگا کے پل کا میا۔ پیترا بدلے سامنے کھڑا ہے آواز کی گرج۔ صورت کی ہیبت سے بڑی بی کے حواس اسطرح غائب ہوئے۔ اندھیرے مین بھارست کیسی طرح کہان تو بیٹھ کر کے وہین ڈھیر ہوگئین بہو نے دکھا ان تو ریشم خطی۔ وہان دیتے دیتے ہوئی شمع ہوگئی۔ دماغ مین دھوان زیادہ سما گیا یا کوئی مادا گرا۔ گھبرا کر اٹھین۔ منھ پر پانی کے چھینٹے دیے پنکھے کی ہوا دی۔ بارے مرنے کا قصد تو تھا نہین۔ تھوڑی دیر بعد ہوش مین آئین مگر آنکھین نہین کھولتین ہوے پوچھتی ہین یہ ہوا کیا؟

بہو۔ اری اماں۔ آنکھین کھولو (داہنے بائین دیکھکر) کوئی بھی نہین۔

بڑی بی۔ بیٹی ذرا مجھ پر کچھ پڑھکر دم کردو۔ تم گھبراؤ نہین مین ہوش مین ہون۔ بہو پلنگ کے کھونٹی پر سے قرآن شریف اٹھا لائی۔ انکی ہوا دی۔ پیشانی کا پسینہ آنچل سے پونچھا۔ نادعلی پڑھ پڑھکر دم کی جب پھونکی آواز اور دم کی ہوا چہرے پر پہونچی بڑھیا نے ڈرتے ڈرتے ذرا ہی آنکھین کھولی تھین کہ پھر ملی اور کی چیخ مار بیہوش ہوگئی۔

بہو اگرچہ فی الجملہ جی کی کڑی دل کی مضبوط تھی مگر پھر بھی عورت ذات اسکے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ بے اختیار ظہورن کو پکار اٹھی۔

بہو۔ (آبدیدہ ہوکر) دیکھو انکو کیا ہوگیا ہو خدا کیواسطے ظہورن تم مس صاحب کو بلا لاؤ کوئی دوائی دین۔

ظہورن۔ بیگم صاحب آپ گھبرائین نہ جیتی کا عالم ہے مین ابھی گئی۔ جس طرح مس صاحب بیٹھی ہونگی لاتی ہون۔

اب ظہورن تو ادھر گئین اور دولہن بیچاری بیرنگ دیکھکے نہایت پریشان ہوا عجب مخمصے مین جان پڑی۔ اگرچہ تاریخ گزر جانے ایک ایک جا پہلے تھے مگر یہ دربار داری کبھی نہ کرنی پڑی تھی۔ حیران پریشان آخر اب کرنا کیا چاہیے۔ نہ بلا اجازت جا سکتی ہے نہ بڑھیا سے کچھ کہہ سکتی۔ کونے مین دم بخود کھڑی آگرے ٹکٹکی دیکھ رہی ہے۔

چونکہ مس گریہیم کی محبت اور راہ و رسم انکی گھر مین بیچ کے مہینوں ساتھ پڑھنے کی تھی اور نوبت یہان تک پہونچی تھی کہ باوجود قیام سیٹھ بچہ مس کا دل کا کھلا تا تھا۔

کریم کی جورو - باجی - ماں - خالہ اماں کہی جاتی تھیں اور مس صاحبہ کی والدہ شریفہ جو قحط میں پادریوں کے اثر پڑکر عیسائی ہوگئی تھیں اور باستثنائے سایہ دوپٹہ - صورت شکل میں بہت کچھ ہماریت برقرار رکھتی تھیں - بڑی بی کی منھ بولی بہن بن چکی تھیں - ظہورن نے جاتے ہی دروازے سے شور غل مچانا شروع کیا

ظہورن - مس صاحب بڑی بے ام (بیگم) صاحب کا حال تو چل کے دیکھو آپ ہی آپ خوف (خدا جانے) انکو کیا ہو گیا ہے - کہتیں کہتی ہیں - خنگانیوں کی باتیں کرتی ہیں - کوئی آس نہ پاس اور کہتی ہیں سامنے کوئی کھڑا ہے اور وہاں جی ڈوب جاتا ہے - دشمنوں کے جیسے دم ورود نہیں - ہر خو کوئی اسرار ہے بیماری بھی دیکھی بھالی بھی دیکھی کل بابا ایسی بات نہیں دیکھی سننے کو تو تم چلو ذرا علاج اسمیں کام دیگی وہاں تو کسی سیانے کا کام ہے -

مس - اوہ کچھ پرواہ نہیں کھالی سر میں گھرائی - کوئی نگج (مغز) کا بات ہوگا -

ظہورن - مس صاحب لاکلام سر تو ضرور خالی ہو گیا ہے بلکہ بکتے بکتے - اور جب سے چھوٹے میاں سدھائے ہیں تب سے مجاز کا اور بھی تھکانا نہیں رہا - لیکن یہ بات آج تک پہلے تھی نہیں -

مس - نہیں نہیں مونڈ میں کچھ گھرائی آگیا -

ظہورن - نہیں مس صاحب نہیں - کہتے ہیں - سر سے اسکو کیا لگا دیجیے میں پنکھے لگے ہیں ڈھر دھر دھر دھڑ ہوتا ہے آنکھیں بند گئے اوندھے منھ پڑی ہیں - میرا تو اعتقاد (اعتقاد) ہے آسیب کا خلل ہے بل ہماری جاہوں کی کون سنتا ہے - بابو ہیں وہ لکھی پڑھی دولت قلم وہ سامان کیا اپنی اولاد کے واسطے تو خدا سیانے بوجھتی نہیں - ہر بات انکے نزدیک واہیات - وہ تو کہو خدا سلامت رکھے ہماری بیوی کو وہی بیچاری بچے کے گنڈے تعویذ کی فقر دفکر بھی رکھتی ہیں - اگر کل کلاں کو ظہورن بندی کی آنکھ بند ہو گئی تو یہ سب برکت کی باتیں بند سمجھو -

اتنے میں مس صاحب دو چار دوائیں ظہورن کے ہاتھ دے پھیپھڑے دیکھنے کا آلہ سائے کی جیب میں رکھ - چھتری لے روانہ ہو گئیں - مس ڈاکٹر کا خود تو وہاں آنا حضرت عیسیٰ کا شفاعت کو پہونچنا تھا - دلوں میں ڈھارس - خاطر جمع تھیں

اطمینان کا بھی شل وحی نہ حال ہو گیا ہو گا یاد سا در ہے۔ بڑی بی کمٹ سے اٹھ بیٹھیں
موکل بچارہ تو سامنے کھڑا ہی تھا۔ پہلے تو ایک ذری جھجکیں مگر دو چار آدمی گھیرے کھڑے
تھے۔ دل مضبوط کر کے بولیں۔

بڑی بی۔ مس صاحب تم نے کیا کھوں میں یہ تختی دھوتی تھی کہ بس میری آنکھوں تلے ایک
مردوا کالا بھجنگا آ گیا۔ بس بیہوش ہو گئی اسے تو اب بھی سامنے وہ کھڑا ہے۔

مس۔ اوہو یہ تو الہ دین کے لیمپ والا کصہ (قصہ) معلوم ہوتا ہے دیکھنا پھر آپ کو
بہت دولت ملے گا۔

بڑی بی۔ میں نے زین خان شیخ سدو۔ برہمن پیر دکے نام سنے تھے یہ الہ دین آج ہی سنا

مس۔ نہیں کہا نہ جان عربین نائٹس کا کصہ ہے۔ الہ دین لیمپ لایا تھا اسکا
مان صاف کیا۔ ایک جن اسی طرح نکل آیا تھا اسکو بہت دولت لا دیا تھا اچھا ہم
دوا دیتا ہے ابھی سب بھاگ جائیگا۔

مس صا[illegible] کھڑی ہو گئیں
نیچے جاتے وقت ہدایت کر گئیں کہ آرام سے لیٹی رہیں کوئی شور غل نہ کرے۔ تھوڑی دیر میں
نیند آ جائیگی ہم پھر دیکھ آئیگا غرضکہ بڑی بی سو گئیں اور موکل صاحب بھی چلتے ہوئے
بڑی بی دوا پیکر نہیں جاگ رہی ہیں تو اصحاب کہف کے یا منتی ہو چکی ہیں۔ لمبی سانسوں
خراٹوں کی آواز نے رسید بھی دا آل کر دی۔ خواہش ظاہر یہ کی بدولت ملتی ہے۔ خارجی
اسباب کا اثر معطل۔ ریحان طبعی شربت معاند روح سیلانی پر پر آئے جہاز کی مستعد پرواز
حرص و دولت۔ طمع ثروت کے شہپر شکستہ ممکنات کے روک تمام سے آزاد۔ موکل کو حکم
الہ دین۔ امید دولت نے بعد از ق خانہ خالی را دیو میگیرد پوست زدہ دماغ میں ایک
ایسا سبز باغ تیار کر دیا۔ جسکا نظارہ کریم کی جنتا دشت کیا یعنی فرعون کی جبہ خانہ
تک کو نصیب نہ ہوا ہوگا۔ صحن میں روپیوں اشرفیوں کا ڈھیر موتیوں کی لڑیاں
تار بارش کی جگہ آسمان سے زمین تک لگتی۔ کبوتر کے انڈے کے برابر بڑا بڑا موتی
اولوں کی طرح گڈا گڈا گنالی میں گر رہا ہے اور وہ بھی بدھا ہوا آبدار چھپوڑ نجنے کی
ضرورت نہو۔

اور بڑی بی ہیں کہ دوڑ دوڑ کر چن رہی اور دوپٹے کے آنچل میں رکھ رہی ہیں

ایک دفعہ ایک موتی پروتے ہوئے سوئی ہاتھ سے پھسلکر اپنا ما دھر گئی آنکھ جو کھلتی ہے بستر پر
پڑی دائیں بائیں سوئی ٹٹول رہی ہیں گھبرا کر اٹھیں تو اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
گھورنے لگیں۔ بڑے موتی تو خیر گم ہو گئے لڑیاں باقی ہیں کہ نہیں۔

بہو کی دراز پر کوئی پڑا گرچہ ہاتھوں سے کہا یا طبیعت اب ٹھکانے پر ہے مگر ان کی
ہیبت کدائی اور جیسا انگ ہو سکا ادھر ادھر دیکھا اور کف افسوس ملنے سے
اسکو یقین ہو گیا کہ عقل و دماغ پورے طور سے نہیں درست ہوا۔

خیر جنت کی جیتی جیتی بی بی لوٹ پوٹ اچھی ہو گئیں۔ ملک الموت کی چوٹ بچتی بچتے
بچا گئیں۔ مگر بہو کی نظروں میں بقیہ عمر تک خبط الحواس ہی معلوم ہوتی رہیں
اور حقیقت یہ ہے کہ اس خیال کی کچھ اصلیت بھی تھی کیا معنی اب اکثر بی بی
خاموش زیادہ رہتیں اور دل ہی دل میں خیالی پلاؤ پکانے لگیں اور بے اصرار
کر کے الف لیلہ سے آلہ دین کا قصہ سنا کرتیں تو گھر کے کسی کام میں لگا جی
ہی نہ لگتا تھا۔

آخر ایک روز خلاف عادت کوٹھری میں گھس کر دروازہ بند کر کے بیٹھیں تو بہو خاموش
بات کو دیا مخالفت کا نام ہی نہیں لیتیں۔ بہو کو تشویش سے گھبرا کر سوچیں خواہ پاگل
آدمی کا ٹھیک کیا نہیں معلوم کیا اسرار ہو چپکے سے چپا چپا کر اپنی باتیں کہیں اگر دروں
سے جھانکیں کچھ پتہ نہ چلا آخر کان لگائے سن کر ان جو پتی ہو معلوم ہوا کہ اماں جان
آہستہ آہستہ باتیں کر رہی ہیں اب تو یقین ہو گیا کہ خطرہ ٹل گیا۔ بڑھیا ہاتھ سے
گئیں۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اگر اتنا ان پر جوت کرنے لگیں تو گھر میں کیونکر
رہنا ہوگا۔ طعن و تشنیع سے بلا بادہ جو ہو جیسے یاد آئی اور اگر چہ انکے
کچھ سنا یا نہیں مگر ابرو پیشانی پر چڑھا نا ہے سے بے نقل گردن کو ہلا ہیں ضرور
غصہ کا اوپر تو خیر وہ خاص اور اماں ٹھہریں۔ پاٹیں اٹھا کے جوتیاں اتارتے
کان پکڑ سے پچھتائے۔ سانس روکے پچھلی کے بل نیچے کی وضع کھڑی سن گن
لے رہی تھیں اور ادھر بڑی بی بی جی گویا کرکے مرکل سے فرمائش کر رہی ہیں دنیا
و ما فیہا سے بے خبر۔

لے میاں مرکل ذرا ہمارے بیٹے کریم کی خبر لاؤ۔

موکل - کہاں ہو یہ تو پہلے بتلایئے۔

بڑی بی - سنتی ہوں مصر میں کراچی شہر ہے - انگریزوں کے ساتھ۔

موکل - اگر شہر اور مقام کا نام معلوم ہو تو آسانی ہو۔

بڑی بی - شہر وہر بس وہی شہر ہے اور تو معلوم نہیں۔

موکل - تو اُنکی تلاش میں دیر ہوگی - اور کوئی کام ہوتا تو جلدی انجام پاتا۔

بڑی بی - اچھا دھن دولت تمھارے اختیار میں ہے۔

موکل - جی ہاں۔

بڑی بی کا ہاں سنتے ہی ہاتھ بھر کا کلیجہ ہو گیا - سلامتی سے شدت سے لالچن تھیں ہی اور ادھر چند سال کریم کے باپ کے بعد سے دولت کم ہاتھ آئی تھی آپ نے بڑی ہمت کرکے سو اشرفیوں کی فرمائش کر دی وہ اُسی وقت مل گئیں اور موکل رخصت کر دیئے گئے۔

اب ان نیکبخت کی خوشی کا حال نہ پوچھیے - باچھیں کھینچکر پھٹے کی طرح کھنچی ہوئی تھیں مارے خوشی کے پھول کے کپا ہو گئیں - چکر پڑ گئی - بہو کو کھلنے نہ پائے موکل کی لائی ساری دولت اٹھا کے چپکے چپکے دے گی - خیر اشرفیاں چاول کی مٹکی کی آڑ میں رکھ کر پسینے میں عرق عرق - فرط مسرت سے مضطر ہانپتی کانپتی بہو کی نظر سے بچی پلنگ پر تشریف فرما ہوئیں مگر کچھ کھوئی کھوئی منصوبوں میں غلطاں پیچاں دل ٹھکانے نہ کسی چیز کی طرف دھیان - بہو کو اب تو یقین کامل ہو گیا - بڑھیا کی سٹرن ہو گئی - گو ہی خیریت سے گذرتی نظر نہیں آتی - اگر نوع دیگر تھا - یا بریلی کے پاگل خانے کے لائق ہو گئیں تو میں اس تنہائی میں کیا کرونگی - ادھر ظہورن نے بھی چولھے پاس سے گھورنا شروع کیا - یقین کر لیا کہ بڑی بی پر پیروں کا سایہ ہو گیا - میاں کریم کا گھر جس میں پہلے کوئی ایسا معاملہ پیش نہ تھا کہ دلوں میں کدورت ہوتی یا ایک دوسرے سے شک و شبہ رکھتا اب اس اخفا اپنا دھاپی سے دیوانی ہانڈی ہو گیا - ساس بہو میں بظاہر تو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی مگر وہ بیس دلی باقی نہ رہی - ظہورن جو پہلے بہو کو خطرے میں نہ لاتی تھی اب اُسکے پاس زیادہ آنے اور اُسی کے پاندان سے از راہ شفقت زیادہ تمباکو کھانے لگی

کرنے لگی مگر گھر کے انتظام کا خمیر ہی ایک مرتبہ سے بگڑ گیا۔

بڑی بی۔ اول تو خواجہ خضر کی ہم عمر تھیں سہی سارے جسم پر جھریوں کا اُبال بگلا سفید ہو کر چھوٹے بھی ہو گئے تھے۔ جوڑ کے قبضے ڈھیلے جن کے بیچ میں آ ہوا سے ہر وقت بجو جاتے روئی کے گالے۔ پیشانی پر شکنوں کے مارے جھریوں کا عالم۔ آنکھیں گول اور چھوٹی مگر حد تھا سے چشم میں دو دو انچ گڑی۔ سوتواں ناک پیری کے بارے خم ہو کر طوطے کی چونچ گال پچکے۔ ٹھوڑی خشک سیب کی طرح چھوہارا منھ میں اگرچہ ایک دانت نہیں مگر جبڑے نہایت زور سے بھینچے ہوئے۔ لب بوبے کی شکن سے سوا کے کسانے۔ سچ تو یہ ہو اگر چودھویں پندرھویں صدی میں یورپ میں ہوتیں تو ڈائن میں کسی کافر ہی کو شبہ ہوتا۔

اب انکی ساری ہمت فرعون و قارون کی جدید خاندانی بخت کی جانب مبذول ہو گئی۔ سونے۔ چاندی۔ جواہرات کی فرمائش کرنے لگیں مکان مرمت بھر تو سکتا نہ تھا مگر ایک سرے سے پختہ ضرور بن گیا۔ اس اُجڑے کارخانے نے محلے والوں میں تو یہی خیال پیدا کیا کہ کریم مصر سے خوب دولت کما کے بھیجتا ہے مگر وہ اور ظہورن بھی تخمین اگلے وقتوں کی کمائی گڑی ہوئی تھی۔ بیوی سڑن تو ہو ہی گئی ہیں اسطرح نکال نکال اُڑائے دیتی ہیں۔

میاں رحیم کی زندگی اب خدا سے زیادہ مس صاحبہ کی مسیحائی پر منحصر ہو گئی۔ ال تو بچے کا معاملہ آج دودھ نہیں پیا کل پیا ہوا اُلٹا واپس کر دیا۔ کبھی دانت نکلنے پر دست آتے ہیں۔ زکام ہے۔ کھانسی ہے۔ غرضکہ مس صاحب کے واسطے آئے دن تشریف آوری اور فیس کا حیلہ ہو گیا آمد و رفت بڑھتے بڑھتے ایک خصوصیت پیدا ہو گئی تھی۔ گھر بار کے معاملات میں بھی مشیر کار تھیں۔ چونکہ اپنے ہنر اور فن کی بدولت بیگموں خانوں میں زیادہ آتی جاتی تھیں ایسے کمائی بھی خوب کر لیتی تھیں کوئی دن ایسا ہی کمبخت ہوتا کہ دس پانچ گھیاں لینے نہ آتی ہوں اکثر تو امرا اور شرفا امیر زادیوں اور رانیوں نے کارہائے نمایاں کے صلہ و آبرو بچانے کے صلے میں قیمتی زیور بھی دیئے تھے۔ بنک میں بھی روپیہ جمع ہو گیا تھا۔ پھر بھلا اسسے بڑھ کے کون آج عقلمند ہو سکتا تھا۔ بڑی بی انسے اتنس بھی کرنے لگی تھیں۔ حتی کہ بعض بعض

باتیں بہو سے چھپاتیں مگر اُنپر شیدا ور ظاہر کرتیں۔
کریم کی ماں عشرہ قناد کے در پے کر وکلپ کی چھاندتی تھیں مگر شفا یوح۔
اجابت مو کل۔ اعیان ثروت طلع دولت نے لیس پوٹ کرکے بہت کچھ سنبھالی کھا
تھا جسم بادعا کے قفس کی توجہت سی تیلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ مرغ روح پر بہ ظفر ابیے
بس چا ہتا حسرت عطیہ سے اڑ جاتا جسطرح کمان کے تندے سے تیر نظر مگر حرص
و ولالچ اور محبت زر کی طلائی زنجیر ایسی پاؤں پڑی تھی کہ بیچارہ اخیر تک اس سے سر
نہ کر سکتا تھا آپ جانیے زمانے کی تیغ بے پناہ اس عالم کون و فساد میں اپنا کام
کیے بغیر نہیں رہا ہے ہر چند بہو کل نے سب کچھ لادیا تھا مگر کوئی سپر ایسی نہ دی تھی جو اسکے
حملے سے بچاتی۔ آخر بڑی بی بیمار پڑیں اور ایسی کہ اوروں کو کیا خود انکو امید منقطع
جاتی رہی۔ بہو کا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب اُنسے حرکات و سکنات خلاف
عادت سرزد ہونا شروع ہوئے تھے۔ غضوران ایک کیلی تھی جو پیروں کے سہارے
آس لگائے تھی۔

مس ڈاکٹر تو سلامتی سے آگرے کے بادگنج کے کرانی سے بیاہ کرکے مس گریم سے
مسز جانسن ہو چکی تھیں مگر صاحب کی عزت یورپین لوگوں میں کم ہونے سے ہندوستانی
ہی سوسائٹی میں زیادہ حصے کی مہترین میم صاحبہ نے گھر کچا کر لیا تھا۔ بڑی بی کے لطف
کرنے سے موقع اظہار خصوصیت ملا۔ دوا علاج تو درکنار تیمارداری کرکھا اُسے انھیں
نے ہندوستان کی حکومت کی طرح اپنے قبضہ میں کرلیا۔ آخر وقت جب بڑی بی کو یقین
ہی ہو گیا کہ اب بچنے کی کوئی صورت نہیں تو ایک روز صبح جب بہو اپنے بچے کو کپڑے
پہنانے میں مصروف تھی انھوں نے سرہانے کے تکیے سے لوح نکال کے میم کے حوالے کی
آبدیدہ ہو کے آہ سرد بھری اور یوں وصیت کی۔

بڑی بی۔ کریم ابتک نہ آیا زندگی کا کیا بھروسا۔ میری میم صاحب ایک کام میرے بعد
کرنا۔ جب خدا اسکو گھر لائے تو تم یہ تختی اسکو دے دینا دیکھو حشر میں میں دامنگیر ہوں گی۔ کوئی
دیکھ نہ لے جیب میں رکھ لو۔ قیصر و ٹھن سے نہ کہنا وہ نادان ہے اسکی قدرداں نہ ہوگی۔

المختصر بہو کو دو چار نصیحتیں کر کے بڑی بی تو چپ ہو رہیں۔
لوح میم صاحب کی جیب میں گئی کنجیاں قیصر و ٹھن کے کرتے سے لٹکیں اور

بڑی بی پھر دو پہر کے بعد چل بسین۔

پانچوان باب

کریم کا عروج

سچ پوچھو تو دنیا مین بہت کم انسان ہونگے جنمین کچھ نہ کچھ سنک ہو جسکے جسمین یہ خوبی نہین وہ یا تو نہایت ہی پُرخطر۔ یا پٹے سرے کا پوچ دیجر انسان ہو مگر ہان اتنی بات ضرور ہے کہ جسقدر مفلس۔ کم ذی شخص ہوگا اُسی قدر خبطی کہلائے گا اور جو باعظمت و شوکت رفیع الدرجات ہوگا وہ شوقین صاحب مذاق اولوالعزم ٹھہرایا جائے گا اگر آج کوئی ٹکا ٹُک جسکے گھر مین چوہے قلابازیان کھاتے ہون۔ اور وہ ہر چند ہر۔ با ہو بگی۔ اتروانے کی مٹھالین برتن جمع کرنے کی دُھن مین پڑے تو اُسکو لوگ پاگل خانے کا امیدوار سمجھین یا اگر کوئی ننگا بھوکا خاک ہند کے کالے کلوٹے نیم وحشی۔ پتلون پہ انگرکھا اور دھوتی پر پتلون پہنے اور ٹوپی مین کھنے ایوان بیویین آسٹین کرے تو نوادرات عالم کا قدردان گردانا جائے۔ خیر کچھ ہی ہو اپنی اپنی رائے پر سب کو اختیار رہے۔ اور ہر فرد ہی اختیار رہے جائے خوب تھا۔

ایک تاجدار یورپ کو ایک دفعہ بعد مدت بیان ہندوستانی لوگون کا خیال جو آیا تو آپ نے اس ملک والونکو طلب فرمایا۔ اگرچہ اسطرح اتنا رجحان بھی آپ انگریزی حکام کو جو ہندوستان پر حکومت اور تحکم ہی اپنا مقصد حیات جانتے اور باوجود نا واقفی بحث ہندوستان کے ہر ادنی اور اعلی معاملے مین خواہ مخواہ رائے صائب رکھنے کا ادعا رکھتے ہین بوجوہ نہایت ناگوار گزرا مگر کرتے کیا حکم حاکم مرگ مفاجات۔ کچھ لوگ یہان سے بھیجنے ہی پڑے۔

چونکہ میان عبدل یعنی کریم یعنی عبدالکریم انھی باتون کی وجہ سے چند حکام فوجی و ملکی کے قابل خطاب تھے اپنی لسانی سے ہر بات کے جواب مین برجستہ کچھ نہ کچھ کہہ دیتے ہر خدمت پر مستعد ہو جاتے کبھی کبھی صاحب کے شریر گھوڑے پر چڑھکر اُسکو ڈھیلا بناتے اور کبھی میم صاحب کی گائے کو سستا جوسہ لا دیتے اور کبھی بابا لوگون کو ہتھیلی پر سوار کر کے محظوظ بناتے خانساماں کے ساتھ حقہ کا دم لگاتے تو آیا صاحب کیواسطے آم اور امرود مہیا کرتے تھے۔ اور بڑی بات یہ کہ لال کرتی کی پلٹن مین ابتدائی حصہ عمر بسر کر چکے تھے اور پلٹن کے اسکول مین کچھ شد بد یون ہی سی انگریزی حاصل کر کے بڑا تکلف

سیفت علی صاحب ذرباغت نے اپنے ہاتھ سے مزری بنادی اور بہت کچھ معذرت کرلی تھی تب سے محبت کی سانٹھ مضبوط ہوگئی تھی - یہ حضرت آرزومند تھے کہ شہر کے کوتوال بنادیے جائیں - انکی امید محکمہ پولیس دیکھتے چنداں بعید از عقل نہ تھی - مگر کوئی ہندوستان کا حاکم انکی پشتی پر نہ تھا - یہ لو تھے تو قصائی مگر اب صرف چمڑے اور سینگ کی آڑھت کرتے تھے شام کو منڈی جانا اور زندہ بکریوں کی کھال ذبح سے پہلے خرید کر لینے کا مشغلہ تھا اب انکا ارادہ ہوا کہ فوج میں صوبہ دار بھرتی ہوجائے چونکہ حکام ضلع انکی نسبت رائے اچھی نہ رکھتے تھے لفٹننٹ گورنر بہادر نے بڑی ناراضی اور دقت سے بدلو کو پولیس میں صرف حوالدار کردیا اور باقی مونچھ کے مونچھ رہے -

چھٹا باب

بندر کے ہاتھ ناریل

ہماری ہردلعزیز اور خوش قسمت ڈاکٹرن صاحبہ کے شوہر مسٹر جانسن صرف کوٹ پتلون ہی تک صاحب بہادر تھے ورنہ یورپین لہو تو ہندوستانی رگوں میں کئی سو برس سے دوڑتے دوڑتے کب کا غائب غلہ ہو چکا تھا - مرغ بازی بٹیر بازی - اور اکثر راجپوتانے کے پرانے رئیسوں کی دربارداری نے دل و دماغ بالکل وہمی اور سریع الاعتقاد بنادیا تھا - اور ان سے بحث کرنے والے امریکن رسالے - نپولین کا فالنامہ و تعبیر نامہ - اسپرٹ رپینگ (میز پر باتیں کرنے) کی کتابیں بڑے شوق سے زیر مطالعہ - اور اسی تھیوصوفی سے دلی ہمدردی رکھتے تھے - شادی کے بعد انکو خدا نے کوٹ پتلون سگار رنگ کیطرف سے مطمئن بھی کردیا تھا - میم صاحب کی آمدنی کا انتظام کرنا - نقشہ مردم شماری ہر سال ایک دفعہ غلط کر ڈالنا اور آرام کرسی پر پڑے پڑے ساری دنیا کے پولیٹکل - سوشل - [illegible] مضامین پر موقع بے موقع رائے زنی کرنا مشغلہ رہ گیا تھا - چونکہ کمزور شوہران تھے - یہ صاحب بھی رحم کی نظر سے دیکھتیں جب وزٹ سے واپس آتیں تو ادنی ادنی سا بے حقیقت واقعہ بھی کو سناتیں پھر بھلا ہماری میاں کریم کی ماں کی تیمارداری - انکی موت کب ایسے واقعات تھے جنکا چرچا انکے ہاں نہ ہوتا - اسوجہ سے بڑی بی کی وصیت اور لوح کا ذکر اُسی دن آیا جس دن میم صاحب کی جیب میں لوح نے پناہ لی تھی - صاحب سنتے ہی

ایزی حیرت سے چونک پڑے اور لوح ہاتھ میں لیکر لگے غور سے دیکھنے۔ پڑھا۔ وہ ایک کتبہ تھا
ہاں سمجھ گئے کہ قدیم مصری زبان کی تحریر ہے۔ انگریزی میں جو بات چیت ہوئی اسکا ترجمہ یہ ہے
جانسن۔ اوہ ڈیر۔ ہم لوگوں کی بڑی خوش قسمتی ہو کہ یہ چیز ہمارے پاس آگئی۔
میم۔ کیوں اسمیں کون جواہرات جڑے یا پارس پتھر لگا ہے۔
جانسن۔ یہ وہی تختی ہو جسکو تم کہتی تھیں دیکھکر ممی بی دیوانی ہو گئی تھیں۔
میم۔ ہاں ضرور جان۔ وہی ہو مگر میں ٹھیک نہیں کہہ سکتی بڑی بی نے مرتے وقت حکم دیا ہے
اُسکے بیٹے کو دے دیں۔ وہ بھی بدھی بیوی کا خط تھا میں انکی خوشی پوری کرنی فرض ہے۔
جانسن۔ او ڈیر۔ اسکا کیا ذکر۔ جب کریم آئیگا دیکھا جائیگا۔ مگر یہ تختی ضرور طلسمات کی ہے ہم
سمجھتے ہیں اگر کام ہی کی نکلے تو تعجب نہیں۔
میم۔ اجی ہوگی جو کچھ ہوگی۔ کریم جانے اور تختی۔
جانسن۔ نہیں نہیں ہم جانتے ہیں البتہ کچھ کام ہم لے سکتے ہیں۔ اگر ہمارا خیال صحیح ہوا تو تمہاری
فیس جو تمنے وہاں لینا موقوف کر دی تھی سب وصول ہو جائیگی۔
میم۔ تم ہمیشہ دل لگی بازی کرتے ہو
جانسن۔ اچھا میں ابھی آرہا ہوں مگر تمکو یاد ہو جب کریم کی ماں بیمار ہوئی ہیں تو کیا حال بیان
کیا تھا۔
میم۔ حال کیا تھا غش آگیا تھا اور انکا یہ اعتقاد تھا۔ اس تختی کو گرہ تھا۔
جانسن۔ اچھا چلو کمرے میں رکھ دیں۔
میم صاحب۔ نہیں نہیں خراب نہ کرنا۔ ہم ایسا تجربہ نہیں چاہتے۔ لاؤ تختی وہ ہم بکس میں
رکھدیں۔
جانسن۔ ڈارلنگ جانی۔ تم میری بات تو سنو۔ جلدی نہ کرو۔ اسکی آزمائش میں کیا حرج ہے
میم۔ ڈیر بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ لاؤ ادھر وہ تختی۔ ہمکو کام میں لانے کا کوئی حق نہیں۔ تھا
جھٹ سونے کے کمرے میں گھس فرش پر تختی رکھتے ہیں کہ ایک اگلی مورگل صاحب تشریف
لے ہی آئے صاحب بہادر اگرچہ ڈینگ بہادری کی مت مارتے تھے پہلوان اور گوندوں سے
لڑائی شیر کے شکار کی داستانیں پہاڑوں کے سیر کے قصے بہت کچھ ہانکتے تھے۔ مگر عمل
کو دیکھتے پتلون کے بٹن ڈھیلے ہو گئے۔ بلا اجازت [illegible] خفا ہو گیا۔ [illegible] مجھے

45

چپڑسے۔ آنکھین نیچی کر کے اتنا ضرور بولا کہ مجھے نہ بیٹے صرف تمہارا سواسطے بلایا ہون۔ اب سے
تم ہمارے تابعدار ہونگے ہو کل ہم تمکو حکم دینگے"۔ اب صاحب بہادر کے دل کی خوشی کا حال کچھ
نہ پوچھئے۔ ویسٹ کوٹ کی بغلون مین انگوٹھے ڈالے ادھر ادھر ہشاش بشاش ٹہلتے اور
منصوبے گانٹھتے جاتے ہین۔ میم صاحب نے اگرچہ ابتدا مین ممانعت کی مگر دولت اور
اختیارات وسیع کی امید ایسی نہین کہ جوانی مین دیر تک جدا رہے۔ میم صاحب بھی
قائل ہو گئین اور فرمائشون کی فہرست تیار ہونے لگی۔

دوسرے دن سر شام ہی اس کمرے مین یہ دونون جا ڈٹے جہان اسپرٹ رپینگ
(یا حاضرات ارواح) کا مشغلہ ہوتا تھا اور بلا کر موکل کو احکام کی بوچھار ہونے لگی۔ ایک درجن
تین اکس رم چار درجن سوڈا واٹر۔ من بھر بودھنہ کی شکر۔ دس پونڈ آبکٹ بسکٹ ہنٹلی پامر کی
چار پانچسو مدراسی سگار۔ ایک سو اپیر اپلس۔ سیتا۔ ڈیوک۔ سگریٹ۔ اور میم صاحب
کے واسطے بریچ۔ بڑے کمرے کیواسطے چٹائی۔ اکبر آبادی دری۔ ایک عدد شیفنیر۔ اور
نہین معلوم کیا کیا انگریزی کھٹکڑ جسکے نام تک بیچارے موکل نے خواب مین بھی نہ سنے تھے
سب طلب کیے گئے۔

موکل۔ ہان لا تو سب کچھ دیا جائیگا مگر مجھکو سمجھا دیجیے کہ ہین کیسی چیزین مین خاک تھر
کچھ نہین سمجھتا۔

صاحب۔ او تم عجب گدھا آدمی ہو روز کا بات چیت نہین سمجھتا۔ تم رم نہین جانتا؟

موکل۔ مین رم غم کیا جانون۔ کون جانور ہے۔

صاحب۔ ایک قسم کا شراب ہے جسکو پی کر آدمی مزے مین آتا ہے۔

موکل۔ کہان ملے گی۔

صاحب۔ اوہ۔ شاہجہانپور چلے جاو وہان رم اور چینی دونون ایک ہی جگہ بنتا ہے
اور سوڈا واٹر جہان چاہے لو۔

موکل۔ ذرا ٹھہرے ہوئے۔ یہ کون میوہ ہے۔

صاحب۔ میوہ نہین ایک قسم کا پانی ہے جو شراب مین ملا کو پیا جاتا ہے اور آدھ بیچ سو چار کی
پہاڑیون پڑے گی۔ یہ سچ ہے

موکل۔ ہان ہان مجھکو معلوم ہوا۔ آگے چلیے۔ سگار اور سگریٹ مین جانتا ہون چند روز

سو دو سو برس سے رواج ہے۔

صاحب۔ اور بریچ میم لوگ کے پہننے کا زیور لگے ہیں۔

موکل۔ شفنیر کیا چیز ہے۔

صاحب۔ الماری ایک قسم کی ہوتی ہے۔ کپڑے لتے رکھنے کی۔

موکل۔ خیر جناب جاتا ہوں جو کچھ سمجھ میں آتا ہے لاتا ہوں۔

الحاصل بعد انتظار بسیار ریاست موکل صاحب نے چیزوں کا ڈھیر کرنی شروع کر دیں سب چیزیں فرمائش کے مطابق تھیں مگر رم کی جگہ شیرہ اور سوڈا واٹر کے مقام پر آب شیر اور شفنیر کے عوض نعمت خانہ بریچ کے بجائے ایک فوجی صوبہ دار کا تمغہ نکلا۔ اب عجیب قسمت تھی موکل صاحب کچھ نہیں سمجھتے اور جو وہ کہتے ہیں اسکو صاحب نہیں سمجھ سکتے

جانسن۔ تم کس ملک آدمی ہو۔ سمجھتا نہیں ہم کیا بولتا۔

موکل۔ آدمی ہونگے آپ۔ بندہ تو لوح کا موکل ہے۔ کام کو حاضر ہے۔ مگر اتنی مدت ہوئی مجھکو اسی لوح کی اطاعت کرتے۔ ایسی الٹی پلٹی گھٹیا ذلیل فرمائشیں کبھی کسی نے نہیں کیں۔ اگر میری طاقت دیکھنا چاہو تو کہو کسی شہزادی کا پلنگ مع محل اٹھا لاؤں۔

میم صاحب۔ (چونک کر) او ہم ایسا کام نہیں مانگتا۔ بڑا خراب بات۔

موکل۔ واہ ایسی باتوں میں تو میرا جی لگتا ہے یا کچھ جواہرات منگوا لیجئے۔ کسی کو پٹوا لیجیے کسی پر مجھکو مسلط کر دیجیے پھر دیکھئے میری کارگزاریاں۔

صاحب۔ اچھا اچھا سلام رخصت۔ ہم پھر تمکو بلائیں گے۔

موکل تو نو دو گیارہ ہوا۔ اور رات بھر میم صاحب اور صاحب بہادر سے خدا جانے کس کس بدگمانی پر گل خپ رہی۔ آخر بات کہاں تک بڑھی کہ قبضہ لوح کے استحقاق پر حجت شروع ہو گئی۔ میم صاحب لوح کی طالب اور صاحب بہادر بھلا ایسی چیز کیوں ہاتھ سے نکلنے دیتے۔ نوبت بایں جا رسید میم صاحب کو ایک مرغی کی طرح آدھر پھولا لگا اور صاحب بہادر ادھر بھنا کر تھیا صوفی کا تازہ رسالہ دیکھنے لگے۔

ساتواں باب

کشش آزادی

میاں کریم اب کوئی معمولی شخص تو تھے نہیں۔ محلات شاہی میں رات دن رہنا

امرا یا نگاہ اور شہزادگان والا مرتبت عالی منزلت سے ہر وقت بے تکلفانہ محاورت اور مجالست رکھنا۔ درباروں میں شریک ہونا ایسے سامان نہ تھے کہ کریم کے ہندوستانی دماغ کو اپنی حالت پر رکھتے۔ آزادی مفرط اور ترقی مرتبت کی مسرت نے بلند نظری اور بہت کچھ بیباکی پیدا کر دی تھی خصوص جبکہ ایک شہزادی کی مصاحب سے یہ بات چیت ہوئی تھی۔

لیڈی۔ مسٹر کریم۔ معاف کیجئے گا اگر میں آپ سے پوچھوں آپ اپنے خاندان میں سے کے ممبر ہندوستان چھوڑ آئے ہیں۔

کریم۔ میرا خاندان کسی قدر قدیم اور عزت دار ہونے کی وجہ سے بہت بڑا ہے مگر میرے گھر میں تو صرف دو ممبر تھے ایک ماں اور ایک بیوی اور ایک زائد ممبر بچہ غیبت میں اور بڑھا ہے۔

لیڈی۔ کیا آپ کی شادی ہو گئی۔ میں سمجھتی ہوں شادی کے تھوڑے ہی دن بعد آپ کو باہر نکلنے کا اتفاق ہوا۔

کریم۔ جی ہاں سرکاری کام نے مجبور کیا کہ میں مصر آؤں۔

لیڈی۔ میں امید کرتی ہوں آپ کو اپنی پیاری بیوی سے ضرور محبت ہو گی آپ کیوں اب انکو وہاں رکھتے ہیں۔ میں تو اُن سے ملنے کی بڑی آرزومند ہوں۔

کریم۔ آپ کی مہربانی۔ میں اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا دل بہت ملنے کو چاہتا ہے اور بچے کو دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ مگر کیا اختیار ہے۔ اب تو ماں کا انتقال ہو گیا ہے گھر میں وہی تنہا ہیں۔

لیڈی۔ تو آپ انکو آسانی سے بلا سکتے ہیں۔ یہاں انکو تکلیف نہ ہو گی۔

کریم۔ مگر ہم لوگوں میں سمندر پار آنا بالکل نئی بات ہو گی۔ ہماری عورتیں پردہ نشین ہوتی ہیں۔

لیڈی۔ معاف کیجئے پردہ نشین یا بی بی نشین (جیسے کی کل)؟

کریم۔ نہیں پردہ نشین۔ یعنے مردوں کے سامنے نہیں آتیں۔

لیڈی۔ اوہ کچھ پروا نہیں۔ یہ تو ہندوستان کا رسم ہے۔

اتنے میں ایک نوجوان نواب زادے جو ہندوستان کا پندرہ دن سفر کر کے بڑے سیاح

بیگم جانی سے آ گئے اور یوں کہنے لگے۔

نواب - ول سٹر بخش - آپ اپنی بیوی کو کیوں نہیں بلاتا - میں سمجھتا ہوں اس سے بہتر موقع آپ کو نہ ملے گا۔ آپ اپنے خیالات کو ترقی دے سکیں - معلوم ہوتا ہے آپ لوگ اپنی عورتوں کی طرف سے شک رکھتے ہیں۔ انکو غیر مردوں سے ملنے نہیں دیتے اور پنجرہ کی چڑیا بنائے رکھتے ہیں۔

کریم - جی ہاں اکثر تاریک خیال پرانے فیشن کے لوگوں کا یہ حال ہے مگر اب ہندوستان میں بہت ترقی ہو چلی ہے اور میں تو اپنی ذات سے ایسی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔

نواب - تو پھر آپ کو بلانے میں کیا تامل ہے - بلکہ میں خیال کرتا ہوں یہاں کی سوسائٹی میں اس امر کا چرچا ہے آپ کو اپنی لیڈی بلانا چاہیے۔

لیڈی - بیشک آپ کو ضرور بلانا چاہیے۔

کریم - کچھ ہاں کر کے چپ ہو رہے مگر دل میں ضرور اس امر کا خیال پیدا ہوا کہ بے جورو لائے اب بات نہیں بنتی - ادھر انکے آجانے نعمت کی رائے پر لوگوں نے اشتعال - اور یہاں تک بات طے ہو گئی کہ میاں کریم کے واسطے ایک مکان ہی الگ ہو ادیا جاے اسمیں رہا سہا کریں۔

آٹھواں باب

چل چلی ہے تو چلی چل

ہمارے میاں کریم کی اہلیہ بیوی گھر کے لوگ۔ یہ بی کریم خواہ کیسے جی چاہے کیسے عورت پڑھی لکھی ہو مست وقلم - دستکار رہا ہو - اس قسم کے لوگوں میں تھیں جو ہمیشہ عیش و آرام کے منصوبوں سے دل خوش کر لیا کرتے اور خواہ مخواہ بلا اسباب ظاہری بھی بلند امیدیں باندھ کے اپنی وضع قطع نشست برخاست حرکات سکنات میں اپنی برتری اور فوقیت لحاظ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ساس کے مرنے کا رنج تنہائی اور ایک یعنی نوع انسان کے ہمیشہ کے واسطے دنیا سے اٹھ جانے کا خوفناک خیال سے رنج ضرور کسیقدر ہوا تھا مگر دل پر صدمہ جو پہونچا تھا اسمیں موت کے بھیانک سامان کا خوف زیادہ شامل تھا۔ جبکہ خدا نے اپنی مصلحت سے پا لداری بخشی ہی نہیں - اسمان اللہ آنے زوروں والی تو پھر تھا

۹۳

پر کیا موقوف تھیں پاؤں لٹکائے ہوئے بڑھیا تک جسکو ملک الموت کا آنیکا روز انتظار کرنا چاہیے - بیشتر دو ہفتہ بعد مرنے کے بیگم کو بھلا دیتی اور پھر یہ تو سلامتی سے جمعہ جمعہ آٹھ دن کی - اسکا دل بیچ زور دار کھائی تھا کا صدمہ اٹھا کر ادھر جھکا اُدھر اُدھر ہو گیا - اسکے علاوہ اب خدا کی عنایت سے گھر بار کی مالک بھی تھیں - گھر گرہستی کی فکر پڑی اور بڑی بات یہ کہ ڈاکٹرن صاحبہ کی صحبت بھی زیادہ رہنے لگی - غرضکہ چالیسویں کے بعد سے بڑی بی کی یاد بہت ہی کم ہو گئی - ہاں اگر کوئی ادھر اُدھر کا آ گیا اور خواہ مخواہ اُسنے ذکر خیر بھی کیا تب تو البتہ انھوں نے بھی ماتم کر لیا ورنہ بھولوں مضمون خیال بھی نہ آتا -

جسقدر ذکاوت طبیعت داری ہندوستان کی عورتوں میں ہو سکتی ہو اس سے قیصر دلھن بے بہرہ نہ تھیں - انتقال ذہنی بلا کوشش دار اور بہت تیز - نتائج بدون دلائل منطقی سوچے صحیح قائم کر لیتیں - پوشاک - زیور - کھانے - مکان میں قرینے قرینے سے چیزوں کے رکھنے اٹھانے میں بھی ایک خداداد سلیقہ اور مذاق تھا - پھر دونوں زنانہ مدرسے میں اور سیانی ہونیکے بعد یورپین استانیوں سے پڑھنے کی بدولت خیالات میں وہ تاریکی اور جکڑبند مفقود تھا جو ہندوستانی جاہل عورتوں کو پہیلی کا پھیولا - جھوٹی مروت کا درخت بنائے رکھتا ہے - تنہائی اور اسکی وجہ سے خود رائی - ڈاکٹرن سے خلط ملط اور معاملات زندگی میں مطلق العنانی نے انکی طبیعت میں اور خرابیاں تو نہیں مگر اتنی بات ضرور پیدا کر دی کہ بیباکی - شوخ چشمی - گستاخی - اور آزادی رائے میں امتیاز نہ کرتیں - اور ان لوگوں سے جو معیوب حرکات کی وجہ سے ہر ایک کے لائق ہوں ویسی نفرت نہ کرتیں جیسی اسکی اور جنس چاہتی تھیں - عورتوں کے پردے کو صرف اس وجہ سے ضروری شمار کرتیں کہ رائج ہو ورنہ اور کوئی خوبی انکی آنکھوں میں باقی نہ تھی - کچھ تو خلقی بات تھی اور کچھ کریم کے اس درجہ پر پہونچنے سے اور بھی قیصر دلھن اپنے عزیزداروں کو تحقیر کی نظر سے دیکھتیں بلکہ بعض اوقات تو ایسے واسطوں سے شرمندہ ہوتیں - اگر انکا بس ہوتا تو اگلے پچھلے سب رشتے ناتے توڑ پھوڑ کر الگ کر دیتیں مگر پشتہا پشت کی قرابتیں - موٹی موٹی زنجیریں آسانی سے ٹوٹنے والی تو تھیں نہیں - ہاں اتنا تھا کہ میل جول کم ہو گیا - جس وقعت سے منا جانا طے تھا سو اسکی پروا کیا تھی - اگر کبھی کچھ نیند شب ایسا ہوا ہو زندگی مرگئی - یا بچہ ماندہ ہو گیا تو

بیگے کے لوگ آ گئے۔ بجار کام نکل گیا۔ سو وہ بھی بہت کم۔ سلیقے صفائی سے رہنے۔
کھانے پینے میں احتیاط رکھنے اور جوانی کی طاقت سے بیماریاں پاس ہی کب پھٹکتی ہیں
انکو بوڑھوں اور چیزوں سے کب مہلت ملتی ہے کہ اس لاپروا گروہ کی طرف رخ کریں
اور اگر کبھی بھولے چوکے گیا بھی تو اس عمر میں عارضہ کی خاطر ہی کون کرتا ہے نہ ڈاکٹر صاحب
مصاحبت کو آتے نہ حکیم صاحب ہی پوچھے جاتے ہیں۔ پس عارضے صاحب جھجک کر
اسطرح اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جیسے بد اخلاق میزبان کا مہمان۔ یا بخیل کے دروازے
کا سائل۔ اسی سبب سے نہ افلاس کی مجبوریاں پاس پھٹکتیں نہ بیماری کی معذوریاں
نزدیک آنے پاتیں۔ دوسروں کے ملنے جلنے کی خواہش ضرور تھی مگر وہ بھی نہ تھی صرف
تفریحاً رکھی تھی۔ اس سے بعض اہل خاندان کو خواہ مخواہ اعتراض اور الزام کی گھات
بیٹھنے لگی تھی۔ اگر یہ پہل بھی نہ کریں تو انکی جانب سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی۔ اس
حالت نے انکو وطن اور اہل وطن سے بہت کچھ دل برداشتہ کر رکھا تھا مگر عورت ذات
شوہر پاس نہیں باپ سے رات ہی کو زبانی گلہ شکوہ کرکے دل کے ابخرات نکلتے گو وہ
بیچارہ خود بھی نہ کر سکتا مگر یہ دل کو تو ڈھارس دے لیتیں۔ ہاں صرف ایک ترکیب
اختیار میں تھی جب کریم کو خط بھیجتیں تو بہت بجا ہے ایسے ہی مضامین میں ضائع
کرتیں۔ اور خود دل میں سوچ لیتیں کہ وہاں بیٹھ کر وہ اسکا کیا علاج کر سکتے ہیں۔
آخر ایک روز کریم کا خط آیا۔

ہمدم دیرینہ من سلامت۔ تمہارے خطوط پہونچتے رہتے ہیں۔ مجھکو سب حالات
معلوم ہوئے۔ کئی مصلحتوں سے مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمکو بلا لوں۔ میں
اتنی دور سے بار بار نہیں آسکتا۔ اور یہاں کا تعلق ترک کرکے اب اس نکبت زدہ
ملک ہندوستان میں نوکری کی فکر حماقت ہے بخدا اگر تم ہندوستان میں نہ ہوتیں
تو کون ادھر رخ بھی کرتا۔ اب اسکے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ تم میرے پاس چلی آؤ سفر
کی کوئی تکلیف کا خیال نہ کرو۔ یہاں خدا کی عنایت سے بڑی عزت ہے۔ ایسا موقع
ہاتھ سے نہ دینا چاہیے غرضکہ جہاں تک ہو سکے جلدی خط لکھو۔ یہاں ہمارے واسطے
مکان اور سامان سب سے الگ ہو گیا ہے۔ جس آرام سے اس ملک میں رہتی ہو
اس سے زیادہ یہاں رہو گی۔ پھر جب جی چاہے چلی جانا۔ میں خود پہونچا آؤں گا۔

بھائی احمد رشید کا بھی وہاں کی نوکری سے دل اُچاٹ ہے وہ ہمراہ ہونگے خرچ ہم دیوین-
اور جیسی تجویز ہو گا وہ صاحب سے مل لین- سب انتظام ہو جاوے گا- گھر خالی کر دینا کوئی
کرایہ دار رکھ دیا جاوے گا- نسیم کی تعلیم بھی یہان خوب ہوگی- چند روز بعد یا تو ہمین تنخواہ
مل جاویگی یا سیوطلبین اندیبیرسٹر ہو جاوے گا-

کریم کی بیوی اوّل تو بالطبع بلند نظر اور آزاد خیال- دوسرے اپنوں سے برداشتہ خاطر
قیصر سے اتنا ہمارا بھلا کب رکنے والی تھی- خط دیکھتے ہی بلا غور و فکر مستعد ہو گئی- اور
گویا بذریعہ تار ولایت ہی مین پہنچی تھی-

ڈاکٹرنی صاحبہ دن مین ایک دفعہ تو ضرور ہی آتی تھین، مگر جب سے صاحب
نوح کے بارے مین چوٹ کھائی تھی تب سے قیصر دولہن سے زیادہ ملنے پینگ بڑھ گئے تھے
ادھر یہ اعزا کے برتاؤ سے زخم خوردہ اُدھر وہ شوہر سے رنجیدہ دونون کو باہم مل بیٹھنے
اور دلی ہمدردی اور خیالی درد دکھ کہ سنانے مین لطف ملتا تھا- خط دیکھتے ہی فوراً آدمی بھیج انکو
طلب کیا اور سب حال کہ سنایا انھون نے کسی قدر اظہار تاسف جدائی کرکے اس
تجویز کی تائید یہان تک کی کہ اگر کافی روپیہ انکے پاس جمع ہوتا تو یہ بھی ولایت جاکر
ڈاکٹری سرٹیفکٹ حاصل کرتین- ایک تو قیصر دولہن یون ہی تیار بیٹھی تھین- اب یہ
پُرچک اور سونے مین سہاگا ہو گئی- تین چار مہینے کے عرصہ مین کریم سے خط کتابت
ہو جلد مراتب طے ہو گئے- اور یہ نیکبخت ولایت چلدین- مکان مین چوکیدار اور نوکرون
کو چھوڑ گئین-

بسفر رفتن مبارک باد

نوان باب

فارغ البال ہو کر خوب فراغت پائی

شکر رنجی کی تلخی اُسوقت بیان سے باہر ہے جب ایسے دو آدمیون مین راہ پا جائے
جنکو بخت و اتفاق نے میل جول محبت- اخلاص بے تکلفی اور چین سے زندگی بسر
کرنے کو بہم کر دیا ہے- پھر نہ پاس بیٹھنے مین مزا نہ دور جانے کا یارا-

دو اجنبی پرند ایک پنجرے اور دو درندے ایک کٹہرے مین بند ہین- نہ تو ایک دوسرے

سے رام ہوتا اور نہ جدا ہو سکتا ہے چونکہ ان سے بہ دیال بچون اور دوستون سے گزشت اور کمال نوبتے ہین اور ایک ہی جگہ ڈٹے ہوئے ہین۔ غصے اور جہل مین نشان خاص بنے ہرگز نہ نقائص ہی پیچھوشی جو بدلحاظی اور بے تکلفی نے وقت بے وقت اتہکاف دکھائے ہین نہ اُن دلکش حرکات و سکنات کا لحاظ جو انصاف و عقل نے ایسے تعلقات مین نہ امر نازیبا و نامناسب بتائے ہین۔

جانسن اور انکی میم مین بھی کشیدگی بڑھتے بڑھتے حد درجہ تک پہونچ گئی تھی۔ زمانہ حال تو پُرآشوب تھا ہی جانبین کی عینکون کا رنگ ہی بدل گیا تھا جو کچھ نظر آتا یا جو کچھ سوجھتا مکروہ منظر۔ ستم تو یہ تھا کہ پارینہ واقعات کہنہ لباس پہنائے جاتے۔ گزشتہ حرکات کے مخالفانہ معنی لگائے جاتے۔ اب جانسن کی ابتدائی محبت۔ اطاعت۔ رضاجوئی مین خودغرضی طمع لالچ فریب کا شائبہ مسز گریہم کو نظر آتا۔ اور انکی خودداری۔ اور دلداری مین غرور و بدمزاجی اور بدوضعی کی بٹ جانسن کو ملتی ایک طرف میم صاحبہ کو اپنے فن پر استغنا۔ دوسری جانب صاحب کو اپنے مؤکل پر تکیہ۔ اپنے اپنے مایحتاج ضروریات مین دونون بسر خودمختار نہ انکو انکی محتاجی نہ انکو انکے سرد کا۔ یہ سامان لاپروائی۔ لازمہ مطلق العنانی دونون کو کبھی جھکنے بھی نہ دیتا۔ بلکہ روز بروز معاملات ایسے الجھتے گئے کہ اگلی سی محبت اور یکدلی خواب و خیال۔ دونون کے نزدیک اسکی واپسی محال ہو گئی۔ اگر کبھی پچھلی باتین یاد آئین تو صرف اسی واسطے کہ تا نہ رنجش تیز اور غصہ و غضب کے ہتھیار کو مہمیز ہون اور لیس۔ اب اخلاق و خلوص زیادتی تکدر۔ اور جل جال ہوجانا ترک تکلم کا بہانہ طوفان کا پیش خیمہ یعنے سکون کا زمانہ ہو گیا تھا۔ اگر قلقل مینا اور جام سرشار کی اعانت سے چند لمحہ ہنس بول لیے تو خمار اترتے اترتے مُہر سکوت لگ گئی۔ یا پشیمانی مناسب معلوم ہوئی۔ کھانے کی میز پر اگر دونون دل باہم ہوئے تو تھے سخن تک جاتے جاتے لبون کی طرح جدا ہو گئے۔ الغرض ہمارے نکھٹو دوست مسٹر جانسن پورے یورپین تو تھے نہیں وہ شجاعت جو یورپ مین زن مریدی کے برقع مین جلوہ افروز ہے انمین تار عنکبوت سے زیادہ نہ تھی اسکو سوء مزاج اور باہمی مخالفت کے جھونکے نہ اٹھا سکے اور صاحب بہادر میدان خانہ داری کے سلاح چھوڑ باعزت و آبرو کنارہ کش ہوئے۔ اب مداخل مصارف کا بھی کھاتہ

جنکے پاس نہ خدا نہ ایمان اور دعوے سے جانتے تھے سائنس سے متعلق۔ ایک مدفاضل
چمن مدعجاب اندر وہ خوانق باری کے برابر بیت۔ لفظ میر صاحب کے۔ باگ کی دستاویز
باباؤں کی ابدیت کا برملا نام جیلہ رہ گئے تھے

ایسی حالت میں خدا ہی نے اسکے انکو مہلت کی وہ افراط میسر ہوئی جو سرکاری ملازم
اپنشن کے بعد ملا کرتی ہے۔ اول تو بیکاری و بے شغلی کمال سے انسان یوں ہی مضمحل ہوا کرتا
ہے آپ بہرحال ہمراز رفیق دوسانہ سے نعمت مؤانست کا معدوم ہو جانا۔ تیسرے دل
اسطرح گھا کہ کہیں باہر گئے بھی ہوا کر سکتے نہ کوئی ممکن غیر ممکن علاج نکال سکتے۔ اوایسی
الکہ جب ہنگامہ صورت دکھاتی ہندوستانی غیرت دوسری طرف گلا دباتی۔ سوچتے سمجھتے۔ اور
دم بخت ہو آہ سرد بھر ابر ہی جیسے رندانہ ہو جاتے۔ پھر دل و دماغ کی ایسی حالت میں دنیا
کہ دنیا کی کونسی چیز بھلی معلوم ہو سکتی ہے اور دل خوش کرنیوالے مضامین پر رغبت ہی کب
ہوتی ہے۔ وہ تو وہی دیکھنا چاہتا ہے جو دل میں درد پیدا کرے۔ وہی سننا چاہتا ہے جو دل پر
اور چوٹ لگائے۔ جانسن کا دل رنج کی دیا سلائی سے جلایا ہوا چراغ تھا جو بجھنے پر بھی دور
ہی سے دکھائی دیتا۔ اور چوٹ کھایا ہوا عضو تھا جو غم کی ہلکی ٹھیس لگتے ہی پھر درد کرنے لگتا ہے
دل و دماغ کے رجحان نے سارے سامان ایسے جمع کر دیے تھے کہ غم اور رنج کے مضامین [illegible]
ڈھونڈ ڈھونڈ کر یکجا کر لیے جاتے اور انہیں گھنٹوں پڑھتے رہتے۔ اخبارات اور رسالوں اور خاص کر
[illegible] نے ہندوستان کی حالت پر زیادہ متوجہ کر دیا تھا۔ خدا کی عنایت سے
دماغ کے ضعف کا مداوا [illegible] ملاقات سے [illegible] ہو گیا تھا۔ خیالات کا اظہار ہو تو [illegible] توقع
کرنے کی لت لگی تھی۔ حالت موجودہ نے قومی رفاہ عام انجمنوں کی کمیٹیوں۔ جلسوں
کی شرکت کی شہ دی تھی شہر بھر میں کوئی جلسہ ایسا نہ تھا جسکو جانسن کی شرکت کا اعزاز
نہ حاصل ہو جلسے بھر میں چاہے کوئی آئے نہ آئے مگر سب سے پہلے جانسن صاحب موجود
ہونگے اور جبتک فراش کرسیاں اور اسباب اور میز نہ اٹھا لیجائے گا تب تک آپکو وہاں
سے اٹھنا گناہ ہو گا۔ بھلا ہندوستانی عام جلسوں میں اور ایسا مستعد ممبر اور [illegible]
بتلون پہننے والا صاحب بہادر غنیمت تھا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہونچی کہ اب جلسوں
[illegible] کی آرائش کی ضرورت ہی نہ رہی جہاں دیکھئے آپ ہی سکرٹری اور وہی آنریری
اگرچہ سلامتی سے کار [illegible] بدوں اوروں کی مدد کے آپ سے کچھ بھی خاک نہ ہوتا۔

مگر سکریٹری رہنے کو آپ ہر لحظہ و ہمہ وقت مستعد رہتے۔ عرضداشتیں میموریل تیار تو نہ کر سکتے
مگر ان میں کوئی کلام نہیں کہ اصلی یادداشت ضرور آپ ہی لکھتے اور بعد تیاری بلحاظ
تمام کچھ نہ کچھ اپنی ترمیم ضرور شامل کرتے۔ ملک کی حالت پر غور کرنے میں اسقدر زور
لگایا تھا کہ اپنے گھر کی طرح ملک کا کوئی انتظام آپ کے نزدیک ٹھیک ہی نہ تھا۔ اسوجہ
سے جو لوگ حاکم وقت پر نکتہ چینی کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہیں آپ سے اکثر ملتے اور آپ ہی
کے مشورے پر کام کرتے۔

ہندوستان میں تربیت یافتہ مقرر تو کثرت کے ساتھ میسر نہیں۔ اکثر یہی بھرتی
کئے جاتے ہیں جو طلاقت لسانی محض پرشور خیالات کی وجہ سے ایسے جلسوں میں سرگرم
نظر آتے ہیں چنانچہ ہمارے مسٹر جانسن نے بے حد فرصت اور بے انتہا مستعدی اور ٹوٹی
پھوٹی اردو کی بدولت اکثر اس کام کے واسطے منتخب ہو جایا کرتے تھے ایک دفعہ ایک
مسئلہ میں درپیش آگیا جسمیں وائسرایوں اور وزرائے ہند اور سرکاری تحریرات کے وعدوں
کا ذکر کرنا تھا۔ وقت کم اور کتابیں مہیا نہیں۔ ضعیفی اجازت نہیں دیتی کہ کسی سے
خواہش دلی کا اظہار ہو۔ گھبرا کے آپ نے موکل کو یاد فرمایا۔

موکل۔ فرمائیے۔ کیا حکم ہے۔

صاحب۔ حکم کیا۔ آج ہمکو بڑی تشویش ہے وہ بات ایسی ہے کہ ہماری بڑی بدنامی
ہو گی۔ اگر کچھ گڑبڑ ہو گیا۔

موکل۔ نہیں صاحب گڑبڑ کی میری عادت نہیں ہیں تو آپ کا تابعدار ہوں۔ کیا مجال
جو کوئی امر خلاف مرضی ہو۔

صاحب۔ نہیں تمسے تو ہم بہت خوش ہیں مگر ہمکو کئی انگریزی کتابیں درکار ہیں۔
اس وقت۔

موکل۔ میں گی کہاں۔ اگر میرا ملک ہوتا تو میں اصل نقل سب کچھ لا سکتا اور نہیں تو زبانی
سنا سکتا تھا۔ مگر یہاں کا حال کچھ عجب طرح کا ہے۔ بعض بعض جگہ تو میرا دماغ گھبرا جاتا
ہے۔

صاحب۔ ابھی دیکھا کہ اسپنک کلکتہ یا تھاکر کمپنی بمبئی کی دوکان پر ملیں گی ہنسن پر
سر ہنری ... اور لارڈ ... کی اسپیچیں یہ سب کتابیں تیار ہیں۔ دام مجھسے

علی احساب لو - اور ابھی جلدی بجاتے لاؤ -

موکل - بیچارہ اس جدید خدمت کی دقتوں اور طبیعت کی نامناسبت کرنا مساعدت بخت پر محمول کرتا کرتا پڑتا خدا خدا کر کے جسطرح بنا کتابیں پیٹھ پر لاد کر لایا اور بیزاری و غم سے ڈھیر کر کے پوچھنے لگا -

موکل - صاحب آخر یہ کس علم کی کتابیں ہیں -

صاحب - یہ بہت چھین ہیں - انمیں وہ وعدے درج ہیں جو سرکار نے ہمسے کیے ہیں اور اب انکا ایفا کم بلکہ نہیں ہوتا -

موکل - حاکم کا رعایا سے وعدہ ہی کیا وہ تو حاکم ہی ہو - جو چاہے کرے - جو چاہے نہ کرے -

صاحب - نہیں نہیں - اسکو اپنی بات کی پابندی لازم ہے - کوئی مہذب حکومت بدون بدنامی ایسا نہیں کر سکتی - اس ترقی اور تہذیب کے زمانے میں حاکمی کا وہ قاعدہ نہیں کہ حاکم جو چاہے کرے - ہم بولنے نہیں سکتے پہلے اگر جو کچھ اسکو کرنا ہوتا ہو اسکا قانون بناتا ہی ہمکو اسپر اعتراض کا حق ہوتا ہی اسکو سننا ہوتا ہی اور جو قاعدہ بنگیا اسکے موافق کام کرنا ہوتا ہی - رعیت کا مرضی کے موافق کام کرنا ہوتا ہے -

موکل - واہ وہ آپ سے زبردست ہی - جو اسکی مرضی ہوگی اسکے مطابق حکومت کریگا آپ اسکے تابعدار ہیں - وہ حاکم ہے - ایسا حاکم جیسا آپ کہتے ہیں ہمنے سنا نہیں - پھر وہ حاکم کیوں ہے -

صاحب - وہ بجبر ضابطہ سے حکومت کرنیکے واسطے ہی خلاف ضابطہ کچھ نہیں کرنے سکتا -

موکل - صاحب ہی سمجھ سے یہ بات باہر ہے میں تو سیدھی بات جانتا ہوں جو زبردست ہے وہ جو چاہے کام لے -

صاحب - یہاں کوئی ایسی زبردستی چلنے نہیں سکتا - مہذب ملک میں سب برابر ہیں - کوئی کسی پر خلاف مرضی حکومت نہیں کر سکتا خصوص یہ عیانا زبردست اور ضعیف [illegible]ب یہاں ہے - یہ انگریزی عملداری ہی - کسی کو کوئی حق نہیں کہ بے قاعدہ ہمکو کسی بات پر مجبور کرے - ہم سب ایک قانون کے ماتحت ہیں -

موکل۔ بھلا اگر کوئی شریف۔ بھلا آدمی۔ امیر۔ مرد۔ کسی گھبیارے سے زبردستی کام لے تو کوئی روک سکتا ہے۔ وہ بڑے آدمی کی برابری نہیں کر سکتا۔

صاحب۔ نہیں کسی کی مجال نہیں۔ اس سے خدمت اسکی مرضی بغیر نہیں لے سکتا

موکل۔ چنے ہے مزدوری بھی نہ۔

صاحب۔ یہ مزدور کی خوشی کی بات ہو۔ بلکہ انصاف تو یہ ہے کہ اگر مزدور کا جی چاہے کہ سرکار کی مزدوری نہ کرے تو سرکار کا کیا۔ اسپر زبردستی نہیں کر سکتا پچھلے زمانہ کا خراب دستور بیگار کا کچھ کچھ باقی ہے۔ ہم لوگ اسکے واسطے کوشش کر رہے ہیں موقوف ہو۔

موکل۔ پھر اس سے فائدہ۔

صاحب۔ واہ بڑا فائدہ۔ ملک ترقی کرے گا۔ ہندوستان پھر بہت اچھا ملک ہو گا۔ اب اسکے اچھے دن آئے ہیں۔ ہمکو خوب معلوم ہو رہا ہے تمام لوگ جو بہت دنوں سے اسطرف سے لاپرواہ تھے اور اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہیں سے کئی کا ارادہ ہوا ہے ہندوستان سنبھالنا چاہیے۔ وہ خفیہ مدد کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کے دل میں بات پیدا کرتے ہیں۔ لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں۔

موکل۔ یہ کون لوگ ہیں۔

صاحب۔ یہ ہندوستان کے دوست ہیں جو اپنی مرضی۔ خواہش۔ دل۔ تم سے مجھے قوت دار کر کے اس بدن کی تکلیفوں سے آزاد ہو کر ہمیشہ زندہ ہیں۔ چند ہمالیہ کی چوٹیوں پر مقیم ہیں۔ انکی بڑی طاقت ہے۔ ہم لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

موکل۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ ہاں صاحب ہونگے۔ اب مجھے کیا حکم ہے۔

صاحب۔ اچھا رخصت۔ کل صبح بڑے میدان میں جلسہ ہو گا تم بھی آ کے ذرا سیر دیکھنا ہم لیکچر دیں گے۔

موکل۔ بہت خوب۔

دسواں باب

محب ملک

اخاہ آج تو میدان میں بڑے بڑے کھیل۔ بڑے بڑے تماشے۔ بڑے ساتھ بڑے سامان ہیں۔ لمبا چوڑا شامیانہ تنا ہوا۔ ہزاروں کرسیاں اسکے بیچ قطار در قطار چنے ہوئے مخلوقات ہے

کہ ٹیڑی میڑی دل۔ حشرات الارض کی طرح آندھی چلی آتی۔ محبان ملک۔ خیر خواہان قوم۔ فدائیان آزادی کی بم بھوتی سے سجدھج نظر اٹھا کر دیکھئے دس بیس آریا بھائی۔ رفاہ عام انجمنوں۔ گئو رکھشنی سبھاؤں کے ممبر۔ دفتروں کے کلرک۔ بنگالی بابو۔ مدرسے کے لونڈے کچہریوں کے بیکار امیدوار۔ موقوف شدہ اہلکار۔ چھوٹی کھونٹی کے وکلا جنکو فرصت کی افراط ہے نئے ڈاکٹر جنکو نسخہ نویسی کی تکلیف شاذ و نادر فرمانی ہوتی ہے۔ اخباروں کے اڈیٹر۔ دیوالیے مہاجن۔ دیوانی کے ڈگری کے مدیون۔ جھنڈ کے جھنڈ چلے آتے ہیں۔

کیوں صاحب آج کیا ہے۔ کس بات پر جلسہ ہے۔ کس معاملے کی کمیٹی ہے؟ جی آج بیگار کے معاملہ کا جلسہ ہے۔ اب آیندہ سے تحصیل کے چپراسی۔ چھکڑا۔ گاڑی۔ مزدور۔ زبردستی نہ پکڑ سکیں گے۔ اسی بیگار کے بند کرانے کی درخواست ملکہ معظمہ کے حضور میں سیدھی بھیجی جائیگی۔

بڑے بڑے لائق فائق تقریر فرمائیں گے اور سب سے بڑا اہم واقعہ ہوتا ہے کہ ہمارے مسٹر جانسن بہادر سپیچ دینگے اور ہندستانی ریاستوں اور انگریزی عملداری کی بیگار کا مقابلہ کر دینگے۔ او ہو ہو۔ ساری جگہیں بھر گئیں بلکہ بیٹھنے کو اب جگہ بھی باقی نہ رہی۔ وہ دیکھئے مسٹر جانسن صدر انجمن کی کرسی کے داہنی طرف بیٹھے ہیں۔ وہ کارروائی شروع ہوئی اور بعد صدر انجمن کی ابتدائی تقریب کے آپ اظہار جوہر کے واسطے کھڑے ہوئے۔

پہلے تو آپ نے تین دفعہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ دو دفعہ پتلون کی جیبیں کھڑکھڑائیں ایک مرتبہ مونچھوں پر تاؤ دیا۔ دو تین مرتبہ رومال نکال کر ناک سے بھونپو بجایا۔ چند مرتبہ کھانسے۔ کئی دفعہ کھنکھارے۔ کچھ ادھر کچھ ادھر دیکھا اور جیب سے نوٹس نکالکر ہانپتے کانپتے تقریر شروع کی۔ سیکڑوں تالیاں قبل ایک جملہ سننے کے بطور تعریف پیشگی بج گئیں۔ بیسیوں خیر خواہان۔ تک محبان آزادی نے خواہ مخواہ۔ بے تکلف زبردستی ہنستا مسکراتا چہرہ بنالیا۔ اور صاحب کو یقین دلایا کہ آپ بلا تکلف جھک ماریے۔ یا گلفشانی کیجئے۔ اسطرح سے تعریف ہی تعریف ہوگی۔

تقریر خدا کی عنایت سے اسقدر طول طویل۔ شیطان کی آنت تھی۔ کئی گھنٹے ہو گئے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ تو وجہ کیا کہ سر اور دھڑ دونوں سے معرا۔ تسلسل عبارت

وخیالات کی زنجیر سے آزاد۔ جس جملے کو جہان سے چاہیے لے بھاگے۔ آغاز انجام دونون کا لطف اٹھائیے۔ ایک زمین کی ہانک تو دوسری آسمان کی۔ جولے بڑے بڑے لوگ سمجھے گر مناسبت کا کوئی لحاظ نہین۔ بیگار کا تو مضمون۔ اور لارڈ میکالے کی تعلیم پر راے۔ آزادی کی بحث اور برائٹ کے قانون غلہ والی تقریر کا خلاصہ پھر اسپان تحصیل کی شکایت۔ اور جگیر ایک سخاوم کی داستان۔ مگر وہان تو صاحب کی آواز پر تعریف کا دارومدار تھا۔ مطلب مضمون تقریر سنتا ہی کون تھا آخر جب موکل نے دیکھا رات گزرتی جاتی ہے اور یہ چرخہ ختم ہی ہونے نہین آتا۔ ڈھیلے بازی شروع کردی۔ اتفاق سے ایک ڈھیلا گردے عین اس لیمپ پر جا لگا جو آپ کے سامنے میز پر رکھا تھا۔ ہانڈی ٹوٹی چمنی پھوٹی۔ چراغ گل۔ پگڑی غائب۔ ہائین ہائین۔ کون ہے۔ لینا۔ پکڑنا۔ جانے نہ پاے ہاتھ ہو گیا۔ لوگ بھی گھبرا اٹھے۔ کرسیان پھاند پھاند اپنے گھرون کو بھاگے۔ انھین مین ہمارے صاحب بہادر بھی۔ مارے غصے کے سب سے آگے دس قدم سرپٹ چلے جا رہے تھے۔ نہ موکل بیچارے کی خبر لی نہ کتابون کی یاد آئی۔ پسینے مین شرابور بدحواس گھر ہی پر آکے دم لیا۔ دوسرے دن روزنامہ اخبار لندن مین بڑے دھوم دھام سے تار چھپے کہ نہایت شاندار جلسہ ہوا۔ اور بخیریت تمام انجام کو پہونچا۔ مسٹر جانسن کے ہر ہر لفظ پر نعرہاے خوشی بلند ہوتے تھے۔

صاحب نے جو چاٹ پالی تو ایسے کیا تھا۔ جلسون۔ کمیٹیون کے خبط مین اور بھی ہیجان ہو گیا۔ رات دن اسی کوشش مین رہنے لگے کہ ہر ادنی ادنی بات پر جلسہ کیا کرین۔ سہولت کیواسطے موکل کے اطمینان پر تمام سامان کا آپ ہی ذمہ کر لیتے۔ بلکہ دس بیس روپیہ کرسیون کے کرایہ اور فرش کے سامان کے واسطے پاس سے دینا گوارا کرتے

گیارھوان باب

ہوا لگی

برسات کی رت۔ تیسرا پہر۔ قریب شام۔ کوئی پانچ کا عمل ہوا۔ پانی برس کر ابھی نکل گیا ہے۔ دھوپ کی گستاخ روشنی۔ پانی کے چھینٹون سے مدھم پڑ چکی ہے۔ آفتاب کی رنگی چمک۔ گلابی۔ سنہری۔ زعفرانی۔ لکہ ہاے ابر سے چھن چھن کے فضاے گیتی پر اشراق

پیدا کئے ہے۔ ہر رنگ کی چیز مین روپ۔ ہر سطح پر جلا اندر صیقل۔ بے رونق شکلین۔ بے نور چہرے بھی اسوقت کندن کی طرح دمک رہے ہین۔ برگ و بار نے مردے سے آب مستعار لی۔ در و دیوار سقف و جدار پر خلعت سبز ہو گیا۔ مساجد اور مقابر کے کلس منادر کے ترسول۔ عشاق کے شرارہ۔ آہ کی طرح سر اٹھائے۔ گنبد فلک کو نشانہ بنائے ہین۔ اتر کی طرف سے دھواندھار ابر اٹھا گھنگھور گھٹا امڈی ہو۔ بادل کی گرج۔ بجلی کی چمک منافذ کے طبعون کو دہلاتی سہاتی ہو تو جھکی ہوئی ہوا کا سنکنا۔ تسکین کی تھپکیان بھی دیتا ہے۔ وہ ابر سیہ کا اٹھنڈ گھمنڈ کے آنا۔ مور کا تن تنکھا پھیر کنا عروس بہار کی سواری باد بہاری کا سمان دکھاتا ہے۔ فصل کی تاثیر و سمے کے جوش نے قطعہ ارض مین شعلہ کو اشتعال لگ دی۔ نامیہ کو مہمیز شوقین طبعون کی امنگون کو تیز کیا ہے۔ حسینون نے جھولے ڈالے ہین۔ پینگ بڑھتے۔ بارہ ماسے کی لمبی تانین اڑ رہی ہین۔ پیاسے دار آندازین کر رہی ہین۔ فلک کو نیچے کھینچے لاتی ہین۔ خصوصا کی تو یہ جھولے کی ڈوریون کی طرح چٹاچٹ ٹوٹی جاتی ہے۔

بھلا کہان جاریابس ویرانہ افریقہ مسکن موگل۔ اور کہان جنت نشان ہندستان کی برسات۔ انھون نے یہ لطف جو پایا خودی سے باہر ہو گئے۔ جا بجا سیر سپاٹے کی سوجھی۔ بلا ضرورت بھی جلے یا ٹون کی بلی سینے۔ پڑے پھرنے لگے۔ گویا سارے ملک کا جالا لیتے۔ ریل کے مسافر کی طرح ڈبے ڈبے خانے خانے ہوتے پھرتے تھے۔

یہان ہندوستان مین اب موگل کی یہ حالت تھی
کہ جون چند آشیان گم کردہ مستی مین پھرے بھٹکا

اتفاق کی بات۔ بجھتی۔ کہ نگر ٹھوڑی آتی ہے۔ حضرت اسی سر گشت مین مشغول معائنہ ولایت مین مصروف تھے کہ ایک حسین مہ جبین چودہ پندرہ برس کی عمر۔ اٹھتی کونپل شباب کا کس بل سگدار ہا ہو بن۔ شانے بازو بھرے بھرے۔ آنکھین کچھ تو جوش جوانی اور کچھ نیند کے خمار سے چڑھی ہوئین۔ ہاتھون مین مہندی رچی ہوئی۔ دھانی چوڑیان گوری گوری کلائیون مین پھنسی پھنسی۔ چست پاجامی ترنی کی آستینین۔ پہونچون تک پہونچی ہوئین آب رواں کا سنہری زرد پٹہ عاشق کی طبیعت کی طرح وارفتہ۔ ایک آنچل کا ماتھے پر پڑا۔ ابھرے سینے کا جوبن۔ واشگاف دکھاتا۔ اسپر گھونگر والے گیسوے مشکین۔ تابکمر کھلے ہو

گویا چاندنی مین سانپ کا جوڑا اودس جاتا ہے۔ بند پیشانی۔ غلافی آنکھڑیان۔ آنکھ اون مین ہو شباب کے لال ڈورے۔ صراحی دار گردن۔ سینہ مین ستم کی چمک۔ سینے کا ابھار اس بلا کا سرکش کہ نہ پوشاک کی روک ٹوک سے دبنے والا۔ نہ حیا کی دھمکیون سے ٹپکنے والا۔ الغرض۔ سر تا پا آفت۔ جمہ تن قیامت۔ بیدار ہو کر ابھی پلنگ سے اُٹھی ہی۔ غنید کے خمار سے انگڑائی لے رہی کہ ہمارے آفت کے مارے موکل کی نظر پڑ گئی کلیجہ تھام کے بیٹھ ہی تو گئے۔ مگر تھے سلامتی سے طبیعت دار۔ س

اسطرح جب نظر پڑی وہ بانیِ فساد ‏ ‏ اکبار بلبلا کے پکارے وہ خوش نہاد

وے وے ستم ستم نظرم برکہ او فتاد ‏ ‏ پژمردہ کرد غنچۂ خاطر گل مراد

بینم چو گردنت سر و سامان نمی شود

افسوس دست محرم پستان نمی شود

اب ذرا گی سنئے ادھر تو میان موکل صاحب ان نیک بخت پر لٹو عشق مین چیز غوطہ ہو رہے ہین ادھر ہمارے مسٹر جانس۔ میم صاحبہ سے تازہ کھٹ پٹ کر کے طلبی کیواسطے نوکرون کو گرٹ پر گرٹ دے رہے ہین ادھر موکل صاحب کا کہین پتا ٹھکانا نہین آخر کار جب اثر سحر حسن کسی قدر انحطاط پر آیا۔ موکل صاحب کے حواس درست ہوئے تو بیچارے خوب گھبرائے بہت ہی باہر جبین چہرہ دن سے بیزار۔ نہو بنائے آئے۔ آپ جانئے اول تو خلاف معمول دیر۔ دوسرے میم صاحب کی جہانجھ۔ صاحب بہادر پتلون سے باہر۔ ایک دفعہ کڑک کے بولے۔

جانسن۔ ول۔ تم آج دیر کیون لگایا۔

یہ بیچارے تو گرفتار عشق۔ دل پر تازہ چوٹ کھائے ہوئے۔ دوسرے اپنی خطا پر نادم نافرمانی پر پشیمان کانپ ہی تو اُٹھے اور گڑگڑا کر کہنے لگے۔

موکل۔ صاحب معاف فرمائیے گا۔ خطا ہوئی۔ اے دیکھئے وہ کیا کہتے ہین۔ مین حاضر تو ہوا۔ آجتک کبھی ایسا نہین ہوا۔ آپ جانتے ہین۔ مین تو تابعدار ہون۔

جانسن۔ ہمکو بڑا کام ضروری۔ تم بہت دیر کیا۔ اول خبردار دیکھو آیندہ کیواسطے ہم سزا دیگا۔

موکل۔ مین خطاوار ہون۔ آپ کا غلام ہون۔

جانسن - نہین غلام ہم تمکو نہین بنا سکتا انگریزی عملداری مین کوئی کسی کا غلام نہین ہو سکتا - ایسا بات مت بولو - ہم خوشامد نہین چاہتا - ہمارا کام ہونا چاہیے -

موکل - جو ارشاد ہو -

جانسن - ارشاد پرشاد ہم نہین جانتا - تمکو کل سشن کی عدالت جانا ہوگا آج کل ایک بڑا مقدمہ دائر ہے جسمین در اصل آزادی اور ظلم کی لڑائی ہے - ایک ہمارا دوست جو ملک کے فائدے اور دنیا کے بھائی چارے کیواسطے اپنا وقت و دولت اور آرام قربانی کر رہا ہے وکیل ہے - تم کاروائی دیکھکر جلد خبر دو - کاغذ مین ہم رپورٹ بھیجے گا -

موکل - مین آجتک سشن نہین جانتا کون ہوا کرتا ہے -

جانسن - دورہ - دورہ -

موکل - دورہ کیا عارضے کا دورہ - زمانے کا دورہ - یا سیر سپاٹا - معائنہ -

جانسن - نہین نہین - حاکم دورہ - مقدمہ کرتا ہے - بڑا بڑا فوجداری کا -

موکل - حضور تو یہ کہئے قاضی صاحب کی عدالت -

جانسن - ہان - ہان -

موکل - وہ تو اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے -

جانسن - یس یس وہی - اب تم چلے جاؤ - وہ اُتر کی سڑک کے داہنے کنارے پورب والے احاطے مین جو کوٹھی ہے اُسمین اجلاس کرتا ہے - تم جاؤگے معلوم ہو جائیگا کنسٹبل آدمی گواہ عملہ سب ہوگا - خیر صاحب موکل جبراً قہراً روانہ ہوئے - بعد تلاش بسیار عدالت سشن پہونچے - وہان ایک مقدمہ خون کی تحقیقات ہو رہی تھی چند بدمعاشون نے ملکر ایک غریب کو دس روپیہ کے گہنون کیواسطے مار ڈالا تھا اور پولیس نے اصلی مجرمون مین ایک بڑے بدمعاش نامی چور کو بھی گرفتار کیا تھا - اتفاق سے اسکا بھائی جانسن کے ہان [illegible] تھا - اُسنے صاحب سے کہدیا تھا سراسر جھوٹ - بہتان ہے - پولیس والون کی شرارت ہے دو سو روپیہ رشوت کا مانگتے ہین - اس سے صاحب کو کد پڑگئی کہ اسکو جسطرح بنے بری کرادین - اسواسطے اپنے پاس سے محنتانہ دیکے وکیل بھی کر دیا تھا - اور یہ تو معمول وضعداری ہے کہ ملک کی محبت پبلک کی خیرخواہی کی - الف بے پولیس کی عداوت سے شروع ہوتی ہے - ایک طرف یہ حضرات ایسے لوگون کی گھات مین رہتے ہین - دوسری طرف یہ محبان ملک

انکو کھٹکتے رہا کرتے ہین پس ہمارے جانسن صاحب بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مقدمہ خدا کی عنایت سے سچا۔ الزام صحیح تھا۔ مگر پولیس سے ان بن ہندوستانی بھائی کو سزا سے بچانے کے جنہون نے نیکی اور محبت ملک اسی مین بھر دی تھی۔ پس آپ کو اس مقدمے مین ایسی توجہ تھی کہ اگرچہ ایک بیرسٹر بھی مقرر کر دیا تھا اور سلامتی سے کسی قانون مین ذرہ بھر مداخلت نہ تھی مگر خود بھی اصول۔ قانون کے وثوق پر تمام تمام رات قوانین اور نظائر الٹا پلٹا کرتے اور بہت سے نوٹ لکھے تھے

الحاصل موکل صاحب عدالت سشن جج مین جب پہونچ گئے تو دیکھا کہ بیرسٹر صاحب اپنی طلاقت لسانی بڑی روانی۔ اور جولانی سے دکھا رہے ہین آسمان کے قلابے ملاتے ہین۔ اسی ضمن مین ایک جگہ انگریزی عملداری مین آزادی کا جو ذکر آگیا تو آزادی کے دریا بہا دے۔

مقدمہ معاملہ تو بیچارے کچھ سمجھے بوجھے نہ تھے مگر آزادی کی بحث سنکر انکی آنکھین کھلین کہ واہ بھئی واہ۔ یہ تو عجب ملک ہی۔ بڑے چھوٹے حاکم محکوم ضعیف قوی مین وہ نسبت اور حق ہی نہین جو اور ملکون مین ہی۔ بہشت اسکے آگے بے حقیقت۔ جنت کی کیا وقعت۔ اجلاس برخاست ہوتے ہی آپ نے تین سجدے شکر کے ادا کئے اور سیدھے جانسن صاحب کے گھر پر پہونچے۔

موکل۔ بندگی عرض ہی۔

جانسن۔ ول کیا خبر۔

موکل۔ حضور۔ اچھی خبر۔ خوب خوب تقریرین رہین۔ مقدمہ پیش رہا۔ بیرسٹر صاحب نے بہت شور غل مچایا۔

جانسن۔ اچھا کیا معلوم ہوا تھا۔ ملزم رہا ہوگا۔

موکل۔ یہ مین کیا جانون۔ جنہون نے مقدمہ لیا وہ جانین۔ یا حاکم۔

جانسن۔ نہین تمکو کیا معلوم ہوتا تھا۔

موکل۔ مجھے تو سب کچھ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آپ تو فرماتے تھے وہ قاضی کی عدالت ہی مگر وہان تو ایک کٹھ پتلی بیٹھی تھی۔

جانسن۔ ہان یہان یہی حاکم ہین۔

موکل - جی اگر یہی حال ہو تو مجھے حکم دیجیے میں ملزم کو چھین لاؤں۔

جانسن - نہیں تمہاری ضرورت نہیں وہ باضابطہ چھوٹ جائے گا۔

موکل - وہ تو کیا اسکو لوگ جھوٹ موٹ پکڑے گئے تھے اُسنے آدمی مارا نہ تھا۔

جانسن - اوہ اسکی بات نہیں مارا یا نہیں مارا۔ مگر کاغذ مثل سے بہ دلائل تحقیقات ثابت ہونا چاہیے۔ کہ مارا اور اگر ثابت نہیں تو حاکم مجاز نہیں کہ کسی کو سزا دیدے۔

موکل - چاہے اُس نے مار ہی ڈالا ہو۔

جانسن - ہو۔ اگر ذرا سا بھی شک ثبوت میں ہوگا تو اسکا فائدہ ملزم کو ملے گا۔

موکل - صاحب میری خوش قسمتی کہ ایسے ملک میں آیا اور آپ ایسے آدمی کے تابع ہوا۔ سبحان اللہ آپ کے ملک اور قانون کا کیا کہنا۔

جانسن - ہمارے نزدیک تو بہت اچھا ملک ہو مگر اب بھی اس ملک میں بہت خرابیاں ہیں۔ ہم اس سے بھی اچھا قانون۔ زیادہ آزادی۔ چاہتے ہیں جیسا یورپ میں ہے۔

موکل - تو آپ ملک پر بڑا احسان کرتے ہیں۔ مجھے تو ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جو لوگوں کو ستانے میں خوش ہوتے تھے اور اس وجہ سے میری بھی ویسی ہی عادت پڑ گئی

جانسن - خیر اب تمکو دنیا میں نیک کام کرنا ہونگے۔ اچھا رخصت۔

بارھواں باب

پر کٹے دم جھڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

چوں چوں کرد حضرت

حضرت ہمارے موکل علیہ ما علیہ کے حالات آپ کچھ نہ پوچھیے۔ نہ اب وہ اگلی سی مستعدی نہ جیسی تیزی چالاکی۔ جب دیکھیے حواس باختہ۔ اونکی دم فاختہ۔ کبھی نہ کبھی ادھیڑ بن میں غلطاں و پیچاں۔ کبھی تو عشق و محبت کی گرہیں دبکیاں کھاتے اور کبھی وقت آزادی کے میدان میں سمند خیال دوڑاتے۔ کبھی مجسم انسان بننے کا شیطان سر پر سوار۔ اور کبھی انگریزی عملداری میں بسر کرنے کی ہوس گریبان گیر۔ ہے

بعد مدت کے پلٹنا آ گئے تیرا نا چشمہ حل گئے گلشن کی ہوا دم کا بلانا گیا بھول

یا تو پہلے یہ حال تھا کہ ادھر لوح میں رکھ دی اور ادھر موکل صاحب دست بستہ موجود یا اب جانسن بیچارے مستقل اگر کی طرح جب تک سو پچاس دفعہ گردن کا مصدر نہ کر دیں۔ موکل صاحب پوچھتے بھی نہیں۔ کون جھگڑا کرتا ہے۔ یہاں اپنی جان کی [illegible] عشق پڑا ہوا ہے۔ تازہ گرفتار بلا۔ کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی۔ دل میں سوچتا۔ اور جگر کباب کرتا۔ اگر صاحب نے کبھی کام کو حکم دیا تو جیسا اگھڑا۔ اول جلول۔ انجام پایا۔ کوئی [illegible] نہیں۔ اس تو دوسری لوح کی اطاعت آ گئی۔ سے

کیا بنے انسان اکیلا رو سکے — دل جو کا سنہ ہو تو سب کچھ ہو سکے

اس کشمکش اور گھبراہٹ میں موکل صاحب کو کچھ نہ سوجھی۔ مگر اپنی معشوقہ سے بالمشافہ عرض معروض کرنے کی جرأت کر بیٹھے چنانچہ ایک روز تقریب دو پہر کے معشوقہ صاحبہ کے روبرو جھک جھک کر لگے تسلیمیں بجا لانے۔ صورت دیکھتے ہی اس بیچاری کے حواس غائب۔ مخلہ ہوش فرو ہندوستانی عورت سہر ہی کچھ لی۔ ننھا سا کلیجا۔ بیساختہ ہو کر غش میں آگئی۔ گھر بھر کے لوگ دوڑ پڑے۔ دوا علاج گنڈے تعویذ ہونے لگے چونکہ ظاہری کوئی عارضہ نہ تھا۔ بڑی بوڑھیوں نے فوراً بے سوچے سمجھے آسیب کا حکم لگا دیا۔ اگرچہ ہوش جلد آ گیا۔ مگر شام تک کئی درجن فقیلے۔ سو چار حاضرات والے۔ دس پانچ ملا سیانے آ موجود ہوئے۔ اور اس بیچاری کو لگے ستانے۔ خرجوان سال اسکی دھونی دینے بیٹھے بیٹھے بے انگلوں نے اس سراپا نازک گلاب سے گالوں کو طمانچوں سے لال کیا کسی نے جید شکلیں کھینچ کر [illegible]ی۔ کسی نے حضرت سلیمان کی قسم دلائی۔ کسی نے اتحاد کر پڑھوایا۔ غرض فالیوں نے اپنے اپنے زمانے سے دھمائی مچائی الغرض موکل صاحب یہ رنگ دیکھ کر نہایت ہی دنگ ہوئے اور جی میں سوچنے لگے۔ میاں یہ تو اچھی عاشقی جتائی۔ الٹی اس بیچاری پر آفت آئی۔ گھبرائے ہوئے صاحب کے پاس پہونچے۔

صاحب۔ دل موکل۔ تم کہاں۔ کیوں خیر تو ہے۔

موکل۔ خیر و برکت تو سب کچھ ہے مگر آج میں خود بلا طلب آیا ہوں۔ اور آپ کو کچھ تکلیف دونگا۔ آپ جانتے ہیں۔ آپ کے سب کام میں بخوشی انجام دیتا ہوں۔ ایک کام از راہ عنایت آپ کو کرنا ہوگا۔

جانسن۔ ہاں ہاں ہر طرح حاضر ہے۔ بڑی خوشی سے کر دے گا۔

موکل۔ بہت اچھا تو ہم ایک عورت پر عاشق ہیں۔ اسکو دلوا دیجئے۔

جانسن - ول تمکو اور عاشقی سے کیا کام - دوسرے بھلا معلوم تو ہو وہ ہی کون -
موکل - واہ عاشقی سے کام کی بھی خوب کہی - آخر دنیا مین لوگ عاشقی کرتے ہین انکو اس سے کیا کام ہوتا ہی - اسمین کام کاج کی بحث ہی کیا - میری معشوقہ ایک عورت ہی خوبصورت سی ہی - وہ منہارہ ٹولے کے نکڑ پر جو بڑا سا اونچا مکان ہی وہان رہتی ہی - اگر آپ نہ بلوائیے تو مین جاکے اٹھا لاؤن - اگر آپ وعدہ کیجئے اپنے ہان اسکو رکھ لیجئے -
جانسن - ارے ہرگز ایسا نہ کرنا - بڑا خراب بات - ایسی باتون سے سوسائٹی کا بڑا نقصان ہوتا ہی - امن مین خلل پڑتا ہی - ہم نہ اسمین مدد دے سکتا ہی نہ تمکو صلاح بتا سکتا ہی -
موکل - آخر پھر مین کیا کرون - آپ حال تو سنئے کیا ستم ہوا -
جانسن - ستم وتم ہم نہین جانتا - تمکو اگر اس سے شادی کرنا ہی تو باضابطہ پیام دو اور اگر مہذب طریقہ سے چاہو تو اس سے کورٹ شپ کرو - مگر ہمکو امید نہین تمکو پسند کرے گی - اور نہین تو ہندوستانی طریقہ مشاطہ کے ذریعہ سے منگنی ٹھہراؤ - اسکا طریقہ ہمکو نہین معلوم - کسی سے پوچھ لو -
موکل - واہ جناب مین آپکے سب حکم بجالاتا ہون - آپ میرا ایک کام نہین کردیتے - مین یہ سامان جھگڑا کس سے سیکھتا پھرون - خیر جو جی مین آتا ہی کرتا ہون -

الغرض موکل صاحب تو ادھر مایوس ہو کر اترے چکارے کی طرح چپ ہو بیٹھے ادھر مسٹر جانسن کے دو چار دوست آموجود ہوئے - حسن اتفاق سے شہر کے میونسپل الکشن کا زمانہ قریب تھا اور دلگی بازون کے کہنے سننے سے اس دفعہ مسٹر جانسن نے بھی امیدوارون مین نام لکھوا دیا تھا - ووٹرن کے نام اسی روز خطوط بھی جاری ہوگئے تھے ان حضرات نے آکر خبر دی حضرت اب کوشش وسعی بلیغ کا وقت ہی - اگرچہ ہم سب نے ملکر بیسیون بنیون - مہاجنون - بوہرون - سنارون - پنساریون وغیرہ وغیرہ سے وعدے لے لیے ہین - مگر اب رائے دینے کے کاغذ پر دستخط حاصل کرنا بڑا کام ہی - آپکے مخالف صاحب حاکم ضلع کے پرانے خوشامدی لالہ کچوری مل ہین - انکے مخالف تدابیر کرنا چاہیے ورنہ آنہ ادھ پارٹی کی لٹیا ڈوب جائیگی -
مختصر یہ ہی کہ اسی وقت معرکہ الکشن کی تدابیر مین - از سر نو تیزی آگئی - عقل آرائیان ہونے لگین - رائین پیشنگی شمار ہونے لگین - محلے محلے دوستون نے بانٹ لیے کہ

شب الکشن کو ساری رات ہم گشت کرینگے۔ رائین لین گے۔ یہ کرینگے وہ کرینگے غرضکہ جسطرح بنے گا ابکی مسٹر جانسن کو ممبر بنائین گے۔ مگر آپ جانیئے جانسن کو تو اور ہی بات پر اطمینان تھا انھون نے دوستون کا شکریہ ادا کرکے کہا آپ لوگون کو مین تکلیف دینا نہین چاہتا۔ مین پہلے بطور خود کوشش کرون گا مجھے لوگون پر اطمینان ہے کہ میری بزرگی اور محبت مدتِ جفاکشی پر بھروسا کرکے بدون استدعا رائے دینگے۔ اِدھر دوستون کا جانا اُدھر موکل کی طلبی ہوئی۔ اور فوراً حکم دیا گیا کہ رائے دینے کا کاغذ جسکا نمونہ موکل کو دکھایا گیا ہے جسکے پاس دیکھو۔ اسکو ہمارا موافق بنا دو۔ اور مخالفون کے نام خود تمھین کاٹ دو۔ اور کل پولنگ اسٹیشن پر پہونچا دو۔ بندہ خوب واقف ہے۔ موکل بیچارہ اب اس چکر مین پڑا۔ دنیا کی کوئی بے ایمانی۔ شرارت۔ دغابازی جھوٹ فریب۔ اس کام کے سرانجام کے واسطے اٹھا نہ رکھا ساری رات لوگون کے دروازے کھٹ کھٹانا۔ نیند حرام کرنا۔ کاغذ چھیننا۔ اور انکو خود ہی فلان کرنا اسکا مشغلہ تھا۔ اگر کسی نے چین چپڑ کی تو دو چار گھونسے رسید کردیے بیچارے نے کان دبا کر دستخط کر دیے۔ صبح ہوتے ہی پہلی تدبیر تو یہ کی کہ سوا ریان لیکر ووٹرون کے ہان پہونچے۔ جو جسکا طرفدار تھا آپ اسی کے ایجنٹ بن گئے۔ اور گاڑی مین ووٹر صاحب کو بٹھا جوان ہانکتا جدھر چاہا ڈال دیا بارہ بارہ چوبیس کوس کے فاصلے پر۔ بعضے بیچارے مفقود الخبر یا اسوقت غیر حاضر تھے۔ موکل صاحب نے مختلف صورتین اختیار کرکے کاغذ داخل کردیے۔ غرض جسطرح بنا ہمارے جانسن صاحب کے کئی سو ووٹ زیادہ ہوگئے اور خدا خدا کرکے بالا انھین کے ہاتھ رہا۔

تیرھوان باب

عاشقِ تازہ ہون آتی نہین فریاد مجھے

دستور ہے کسی کو کیسا ہی سلیقہ۔ کیسا ہی ڈھب کیسی ہی عقل کتنا ہی تجربہ۔ کتنی ہی قوت کیون نہو مگر جب تک کوئی کام ہاتھ سے دو ایک دفعہ نکل نہین جاتا۔ قابلِ اطمینان نہین انجام پا سکتا۔ اسپر ستم جب ہے کہ کام بھی سلامتی سے خدا ہی ہیند آ مشکل۔ وقت طالب جسمین مشتاق اور نوشق دونون فریودیت کرتے ہون۔ پرانے خرانٹ تجربہ کار۔ درمیان اینلے صاحب دونون غوطے کھاتے ہون۔ اسمین تو لغزش۔ حماقت۔ بیوقوفی ہر ہر قدم

پر سامنے موجود ہوتی ہے۔

ہمارے پراگندہ دل بیان موکل اگرچہ جنرل اور سوپر جنرل خدمات کی انجام دہی مین بہت کچھ وقت عزیز ضائع کر چکے تھے مگر خدا کی عنایت سے اپنے دل پر نہ عشق کی چوٹ کھا چکے تھے نہ دماغ کسی کے سودے مین گھنچکر بن چکا تھا کبھی کی مار پہلے ہی پہل اس بلاے بے درمان سے پالا پڑا تھا۔ نہ عشق بازی کا ڈھب نہ محبت سازی کا سلیقہ بھاگ کر سے سپاٹے لگوں وہ چوہا۔ اب دل ہے کہ معشوقہ پا سطرح للچا رہا ہے جیسے بچہ کھلونے پر بسیت یون چپلی ہوئی ہے جیسے کیچڑ مین اونٹ۔ درد دل جس ظالم سے کہا اسپر

چہ داند بوزنہ لذات ادرک

کی مثل ٹھیک آتی ہے۔ مسٹر جانسن اول تو خلقی طور سے جاریا یس مزاج کے کراٹی اسپر طرہ یہ کہ فائدہ جمہور کی مساعی اور جب ملک کی حرارت نے دماغ مین بالکل خشکی پیدا کر دی تھی وہ انکو راستہ ہی کیا بتاتے۔ علاج ہی کیا تجویز کرتے۔ نہ تپ درون کا ہر کا کھاٹے نہ جوش جنون کی لذت اٹھائے ہوئے تھے

نوائے کعبہ تر بام حرم چہ میداند — تپیدن دل مرغان رشتہ بر پا را

آخر بعد غور و تامل یہی مناسب سمجھے کہ جسطرح یہان کے آدمی اظہار تعشق کر کے معشوق کو رجھاتے ہین۔ وہی طریقہ اختیار کرے۔ اگر اتفاق یاری ہو تو بیڑا پار ہو ورنہ افریقہ سے آکر ہندوستان مین قافلہ دل کی بربادی تو قسمت ہی مین لکھی تھی۔ ع

درین دریاے بے پایان درین طوفان موج افزا — دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا

سر دست عجلت اور گھبراہٹ اور ناتجربہ کاری نے انکو اسی بات پر آمادہ کیا کہ جب کبھی معشوقہ کو تنہا پاتے۔ انسان مجسم ہو کے دیکھتے قدمون پر گر پڑتے۔ زار زار روتے۔ ہاتھ جوڑتے اور ٹھنڈی سانسین بھرتے۔

ابتدا ابتدا مین تو ادھر انکی صورت منحوس معشوقہ نے دیکھی اور غش آگیا۔ اور یہ نو کہا پائی باہر بھاگے۔ مگر جب ذرا جھجک ہٹی اور وہ قتالہ موکل ڈھیٹ بھی ہو گئی تو اپنے صورت دیکھتے ہی شور بچانا۔ لوگونکو پکارنا شروع کیا۔

چونکہ خود بھی کسی قدر خواندہ تھی اور سب سے بڑھکر بڑی بات یہ کہ معالج بھی انگریزی ڈاکٹر تھے۔ سب نے حکم لگایا کہ ہسٹیریا ہے۔ جوش شباب خیالات کے ہجوم۔ انجرات

نامسدہ کے صورت دماغ میں خلل آجاتا ہے طرح طرح کی شکلیں نظر آتی ہیں اور باقی کچھ بھی نہیں مگر ساتھ ہی اسکے جانا مشکل ہے ہاں ان کی بیشی ہوتی رہے گی باقی جب خدا کی عنایت سے شادی بیاہ ہو جائیگا۔ اولاد ہوگی تو خود بخود جاتا رہیگا۔ موکل صاحب نے جب دیکھا کہ وہ علاج سب کا اہتمام ہوتا ہے معشوقہ تو وہ مجرا اپنے ذہن اور دوسروں کے نزدیک مرضیہ بھی جاتی ہے اور انکا مکنون کسی طرح پورا نہیں ہوتا۔ بقول شخصے۔ کوے کی سوداگری میں ہاتھ کالے۔ خوردہ شیرہ معلقت مکدر گردہ۔ تو آخر کار یہی تدبیر سوچے کہ اب انسان بنکر کوشش کرو جو کچھ جانسن صاحب نے بتایا ہے اسی پر آنکھ بند کر کے عمل شروع کر دو۔ آگے دیکھا جائیگا۔ بھینس بھینسوں میں یا قصائی کے کھونٹے

تو۔ قصہ مختصر موکل صاحب نے کچھ ادھر ادھر سے سامان فراہم کر کے ایک دکان آگ کے قریب لیا جامہ انسانیت میں آگئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔ بقول شخصے دریا پر دھوتی رہائی۔

یہ سب تو کر لیا اور دکانداری کے سبقہ دکھا کر دب آنک پر تکا ظاہر کیا کہ ایک ہندوستانی ریاست کے کامدار بطور سیر تشریف لائے ہیں۔ مگر خانہ فرمودیت اتفاق آنے اور یوں ٹھہرنے کی علت غائی۔ مصلحت ضرورت ظاہر نہیں کی۔ کیا تماشا ہے۔ کیا کرنے آئے ہیں۔ کیوں ٹھہرے ہیں

آپ جانیے حماقت تو عجیب چیز ہے خصوصاً گپ بازی۔ عقل آجاتی ہیں۔ اب ادھر ادھر چرچے ہونے لگے۔

ایک۔ اجی مرزا یہ میر صاحب کے مکان میں کون ٹھہرے ہیں۔

مرزا۔ ہونگے کوئی۔ ہمکو کیا۔ آدمی تو خالی سے خوش معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ گلشن۔ اجی میں کہوں تمسے مجھے تو جھگڑے سے معلوم ہوتے ہیں کہیں سے رقم مار کر بھاگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

مرزا۔ نہیں جی وہ تو بڑے بھلے مانس اشراف معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ۔ جی بھل منساہٹ پر نہ جائیے۔ بھیا آجکل یہی لوگ بڑے بد معاش نکلتے ہیں۔

ایک۔ ہو نہو ہو کچھ معاملہ ایسا ہی

شیخ۔ اجی اس جھگڑے سے مطلب اگر چہ قصہ کل حال دریافت کر لوں۔

مرزا۔ پھر حاصل۔

شیخ - حاصل وصول کے ہوتے نہ رہنا ٹھہرنا دشوار ہوجائیگا۔ اب زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔ میں کہتا ہوں۔ کون مفت خدا کی ٹھائیں ٹھائیں اپنے سر لے۔ غنیں ذرا سے شوشے میں بتنگڑ بنا دیجائے تو تمام نہیں۔

شیخ کلن کی زبان سے یہ جملہ نکلنا ہی تھا کہ فوراً ایک بات ذہن میں آگئی۔ پہلے تو تھوڑی دیر چپ رہے۔ چشم زدن میں معاملے کی چول بٹھا اٹھ کھڑے ہوئے۔ السلام علیکم خدا حافظ۔ یہ جا وہ جا۔

حضرات ناظرین شیخ کلن کمبخت سے اسی محلے کے میر محلہ بھی تھے جو عرضی نویسی بھی کر لیتے تھے۔ مقدمہ لڑانا تو کوئی بڑی بات نہ تھی اکثر فرط ذکاوت سے مقدمات تصنیف فرماتے گواہوں کے پیدا کرنے کی بھی تکلیف برداشت کرتے تھے

ایک سیہ فام پستہ قد۔ کوتہ گردن۔ احول چشم۔ دبلے پتلے منحنی آدمی۔ داڑھی اور مونچھ کے بال جس وقت قسام ازل کی سرکار سے تقسیم ہوئے تھے تو آپ شاید کسی مقدمے کی فکر میں الجھے تھے۔ ریش و بروت سے کم حصہ ملا تھا۔ صرف تین چار چند بال زیب زنخدان تھے اور زینت لب بالائی تھے اور باقی صفا چٹ میدان۔ آنکھیں چھوٹی مگر بیحد چمکدار۔ باتونیے چیچے رمضان کی پھبتیوں کو مات کرنیوالے۔ اسپر ستم یہ کہ قوانین و ضوابط فوجداری میں مع اصول و فروع ایک خاص دستگاہ۔ پولیس کا کنسٹبل سے لیکے انسپکٹر تک سے گاڑھی چھنتی۔ دنیا کا کوئی بدمعاش چور جعلساز ایسا نہ تھا جس سے آپ سے دوستی نہو اور صیغہ گواہی میں اسقدر باسلیقہ تھے کہ میر صاحب کے پاس اتنے جھنڈی بردار۔ بلم دار پنجشاخے والے مزدور بھی نہونگے پھر لطف یہ کہ دواتی پچوانی پٹیا چونس گواہ سے لیکے دس بیس پچاس روپیہ یومیہ تک والا گواہ ہر قوم ہر ملت ہر پیشے کا۔ مزدور۔ سوداگر۔ بنیا بقال۔ مہاجن۔ ٹیکس دینے والا۔ سوداگر۔ عہدہ دار۔ وثیقہ دار۔ پنشن خوار۔ زمیندار۔ ہندو مسلمان۔ انگریز۔ پارسی۔ یہودی غرضکہ ہر ہر پیشے کا دس دس بیس بیس مرد عورت ہر عمر ہر سن کا قطبنہ موجود جس وقت جیسی ضرورت ہو حاضر۔ جعل۔ چوری۔ مخبری۔ رشوت جھکانا۔ مال حفاظت پہونچانا۔ شادیاں ٹھہرانا۔ جائداد دلانا۔ مقدموں کی دلالی کرنا غرضکہ دنیا بھر کی ضرورتوں حاجتوں میں کام آنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب ایسا بابے درمان موکل صاحب سے ملنے پر آمادہ ہو تو پھر

کیا کیا نہ گل کھلیں گے۔

چودھواں باب

مختار و موکل

ہمارے کاردار صاحب ایک صبح ضرورتوں سے فارغ ہو پیچوان لگائے آنکھیں بند کیے منصوبوں کی گرمیا میں ڈبکیاں کھا رہے تھے۔ کبھی تو ہم رسی معشوقہ پری وش کی فکر میں غلطاں پیچاں۔ کبھی کامیابی کی امید پر شاداں و فرحاں۔ کبھی پیام عقد کا عنوان تجویز ہوتا کبھی نامنظوری پر زبردستی کی ہمت بندھتی۔ کبھی خرچ اور وسائل کی تلاش میں چار دانگ عالم مشغول آتے۔ لگا ہے سامان عقد اہتمام شادی خانہ آبادی میں ساری دنیا اکٹھا کی جاتی -

کہ اتنے میں تو ملازم پوربیے دربان نے دست بستہ رپورٹ گزرانی۔

دربان۔ حجور۔ ایک میاں حاجر ہیں۔ ملاکات کا کہت ہیں۔

موکل۔ کون ہیں کیسے ہیں؟ کیا کام ہے۔

دربان۔ بھگوان جانے۔ مہا۔ کو دھیدوی معلوم پڑت ہیں

موکل۔ ارے فدوی کیا۔

دربان۔ حجور منشی لوگ۔ جون کاگد پر اپن نام لکھت ہیں۔ چدوی بھلان۔ چدوی ڈھماک۔

موکل۔ (مسکرا کر) اچھا اچھا بلالو۔

مختار۔ (نہایت ادب سے) آداب بجا لاتا ہوں۔

موکل۔ علیکم السلام۔

مختار۔ (آہستہ سے) حضور ہم لوگوں کی خوش نصیبی ہے آپ ایسے عالی درجات۔ بلند مرتبت۔ معزز حضرات۔ اس شہر کو سرفراز فرماتے ہیں۔ جی میں بھی زیر سایہ رہتا ہوں کئی روز سے تمنا سے قدمبوسی اور آرزوئے حاضری تھی شرف ملازمت حاصل کروں۔ گویا کہ ایک طرح کی عزت افزائی ہے۔

موکل۔ آپ یہیں کے باشندے ہیں

مختار۔ جی حضور۔ ہاں۔ عجب محبت وطن ہے۔ لاکھ چاہا باہر جائے السفر وسیلۃ الظفر مگر کشش

آپ وہ ذات کہ ساری عمر یہین گزری خدا رازق ہو - اگلے زمانے مین خدا نے سب کچھ دیا تھا اب بھی اسکا شکر ہو شام تک کھانے کو ملجاتا ہو آپ لوگون کی جوتیوں کے صدقے مین لوگ میر محلہ بھی خادم کو کہتے ہین - عدالت کے حکام بھی حکام لوگ مہربانی فرماتے ہین جو کچھ ہو سکتا ہو لوگون کا کام بھی عدالت کا کر دیا جاتا ہو - خدا کی عنایت ہو لوگ مہربانی کرتے ہین ورنہ یہ تو ایک ناکارہ بیچارہ شخص ہے -

موکل - آپ کیا پیشہ کرتے ہین -

مختار - جی حضور کچھ بھی نہین محض بے تعلقی باقی ہان کچہری مین جھگڑے عرضیان وغیرہ دلیا کر دیتا ہون - دو چار لائق معزز حکام کی توجہ ہو اجازت دیدی ہو - زمانہ حدید مصطفی و امیجر پائیلاٹ صاحب کے زمانے مین قانون بھی دیکھا تھا امتحان وکالت دیا یا ہونا بھی ہو گیا تھا - مگر زمانے نے مہلت نہ دی - ڈپلومہ تبدیل کرایا جاسے اور اب بھی خدا کی عنایت سے کھانے بھر کو ملجاتا ہے -

موکل - تو آپ یہان کے قانون قاعدے سے خوب واقف ہونگے -

مختار - جی ہان آپ کی دعا سے جو خدمت میرے لائق ہو بسر و چشم تعمیل کو حاضر ہون - فخر ہے میرا عزت افزائی ہے -

موکل - آپ تو بڑے ہوشیار آدمی معلوم ہوتے ہین - آپ ایک بات کی صلاح تو بتلایئے

مختار - جو ارشاد ہو میری فہم ناقص مین آئے گا - بلا تامل عرض کیا جائیگا -

موکل - ہمکو یہان کی آب و ہوا بہت مفید ہے - ہم یہان قیام کرنا چاہتے ہین - بود و باش یہین کی اختیار کرلی ہو اور یہان کے لوگون سے محبت ہو گئی ہے - یہان کوئی شادی کرانی چاہتے ہین -

موکل - حضور یہ کون بڑی بات ہو - ادنی سے اشارے کی دیر ہو جس جگہ جس خاندان مین خوشی ہو ارشاد ہو -

موکل - آپ ہی تجویز کیجئے اور ہمکو خبر دیجئے

مختار - تو بہت خوب اب اسکا جواب غلام کل عرض کرے گا - اب اجازت ہے تسلیم عرض کرتا ہون -

غرضکہ مختار صاحب تشریف کا ٹوکرا اٹھا کر چلے گئے - مگر دروازے پر پہونچکر ناصر

نوکرون سے پوچھ لیا۔ معلوم ہوا کہ مولوی نصیر الحق خان صاحب نام ہے۔
اول تو مختار صاحب بطیّنے پڑے۔ اُسپر شادی کا معاملہ۔ احمق بننے کی خواہش
مختار صاحب نے اطمینان کر دیا وہ پالا مارا۔ اب کار پرداز صاحب جاتے کہان ہین۔
ہمارے مولوی شیخ کلّن صاحب نے صرف ایک شب کی فکر مین خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی
دو درجن جوڑے جناب مولوی نصیر الحق کا مدار ریاست مجہول الاسم والحال کیلئے بہم
کیواسطے پیدا کر رکھین۔ جسمین ایک درجن تو وہ نیک بختین جو ساری دنیا کی ہمارضی
خواہ مستقل زوجہ بننے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہر صبح و شام تیل پانی سے لیس القصہ صبح آٹھ
بجے کی صدا لگاتی۔ آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے کی تلاش مین رہا کرتی ہین اور جنکو اکثر
ہیومینٹی کے لباس سے مخلع کر کے شوقین حکام کی خدمت مین مابہ الاحتفاظ کی شکل مین
شیخ صاحب چالان کر دیا کرتے تھے اور نصف درجن وہ تھین جو پرانے کرم خوردہ شوہرون
سے بیزار ہو چکی تھین جو دیمے کی طرح نئے مال کی تلاش مین طلاق کی خواہان۔ خلع خلعی کی
متمنی۔ اور شیخ صاحب کے سہارے بہ افتراق بذریعہ عدالت کی مساعی مین مصروف
دنہک تھین۔ باقی رہین صوائری جو فقر الکاہ زمین آسمان مین پتا لگانا تھا حضرت
شیخ صاحب کے زوجہ خیز دماغ مین حجلہ نشین سراپردہ خیال مین گوشہ گزین
فہرست بڑھانے کی غرض سے تصنیف کر لی گئی تھین۔ القصہ دوسرے دن آٹھ بجے ہونگے
شیخ صاحب منہدی ہوئی مختصر داڑھی مین کنگھی کئے۔ روپیون کا بستہ بغل مین دابے
آپہونچے۔ اور اس دفعہ کار پرداز صاحب سے قریب تر قالین کا کونا دبا ایک مختارانہ
شان و شوکت سے متمکن ہو کے۔ ادھر ادھر دائین بائین دیکھکے مژدہ سنایا کہ حضور
جسوقت سے غلام رخصت ہوا اسی دوڑ دھوپ مین زمین کا گز ہو گیا۔ آپ کے اقبال
سے چار آدمیون مین ایسی کچھ بات ہو۔ انشاء اللہ کی دیر تھی جس سے کہا راضی ہی ہو گیا
آپکے حالات اصلی ایسے تھے کہ زیادہ کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہ پڑی اب جنکی نسبت
حکم ہو جسوقت فرمایئے سامان ہو جائے۔ جوڑ منگنی پٹ بیاہ تو سنا ہو گا۔ مگر آپ کے
غلام دکھا دینے والے ہین۔ اور یہ کہکر لمبا انتظار ہوا۔ اب چٹ بستہ کھول فہرست پیش کر دی
جسمین نام۔ عمر۔ لیاقت علمی۔ ولدیت۔ سکونت۔ حلیہ۔ تفصیل جہیز۔ سب مندرج
درج تھا۔ مگر مولوی نصیر صاحب تو وہ سراپا ہی وصل مین تھے۔ اس منتر کا کچھ اثر نہ ہوا

شیخ صاحب چونکہ آدمی فریبی تھے۔ مولوی صاحب لڑکیوں کی اور شیخ صاحب ان کی
فہرست یعنی چہرہ پڑھتے جاتے تھے۔ جب کوئی دلربا نظر نہیں آتا بے اختیار خود ہی بولے
کہ یہ تو عوام کی تجویزیں ہیں۔ حضور کو اگر کچھ خاص شرائط منظور ہوں تو اسکا بھی سامان
ممکن ہے اس امر نے مولوی نصیر کے چہرے پر ایک قسم کا تغیر پیدا کیا اور شیخ نے
بھی دیکھ لیا۔ اب مولوی نصیر مخاطب ہوئے اور کچھ آہستہ کچھ متوسط آواز سے درد دل
سنانے لگے۔ شیخ نے بلا خوض و فکر چھوٹتے ہی حکم لگا دیا معاملہ سیدھا راہ ہے۔ ایک
دس روپے دلوائیے۔ شام تک پیام لیجئے۔

پندرھواں باب

کشمکش

ادھر تو ہمارے موکل مولوی نصیر الحق صاحب کا راہبر بنکر قریب مکان معشوقہ دیوار تک پہنچ
تو دیوار کا سایہ ہی غنیمت سمجھکر زور کش ہوئے اور جناب شیخ کلن صاحب مختار کے جنگل
میں آنے سے امیر ایز تھا کہ ریشمانہ نقش بھوت کی طرح سر پر سوار ہوگئی اللہ غضب سے بڑی بات
تو یہ کہ حضرت عشق نے روز بروز زور بڑھانا شروع کیا۔ خواب و خور آرام چین سب حرام
ہو گیا۔ ادھر لوگ ہنستے۔ ذکر خدمتگار سر کے اور آدھر مولوی نصیر صاحب محبت و الفت کے
لفافہ دل لغزیت ہو جنون کی ڈاک میں پڑ گئے۔ مارے گھبراہٹ کے طریقہ وہ اختیار کیا تھا کہ تاک
جھانک بھی برطرف۔ دور سے آنکھیں سینکنا بھی موقوف۔ نے دیکھے مختار صاحب کی
کارگزاری پر دار و مدار رہ گیا تھا۔ وہ خادم اول تو ویسے بھی زبان تمانے کا عادی۔ برسوں
سے دودھ بچہ رکھنے کا مشتاق تھا۔ پھر خود دم خود میں رقمیں ہضم کر لینا جس قدر دیر ہوتی
تھی اسی قدر اسکے پیٹ میں رقمیں کھٹا کھٹ چلی جاتی تھیں۔ پھر بھلا اسکو کیا کھٹکے کا کہ
تھا کہ معاملہ دیر راہ لانے میں عجلت کرتا۔

ادھر شیخ جی کی عنایت سے ہمارے مسٹر جانسن کا شہرہ سالکھ کے جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا
جاتا تھا۔ انکو ہر وقت موکل کی ضرورت۔ آج کیا ہو دو گز کا اشتہار جلسے کے سامنے شہر بلکہ
ہزار دو ہزار کوس اور گرد تک ایک گھنٹے میں تقسیم کرنا ہیں۔ کل کیا ہے پانچ لاکھ کرسیاں پانچ ہزار
پنج مدد مبالغہ دو گز و دو گز فرش درکار ہیں۔ ابھی وقت تھا جنگی جلسہ نیشنل کانگریس کے ہر نیچے کا

منتقد ہونے والا ہی پر دن کیا ہے جیدر وصول کرتا ہی اور وہ بھی ہندوستان بھر کے شہروں قریوں۔ قصبوں میں ۔ اور پھر ایک ہی دن میں ۔ اب ایک طرف تو یہ کہ یہ افراط دوسری طرف موکل صاحب جیسے شوقین سے بیزار عشق ایک طرف سنگری پکڑے ۔ لوح دوسری جانب بنگلے میں رہتی ہو ۔ یہ بچارے کام تو جس طرح بن آ کر ہی دیتے ۔ مگر محنت شاق اپنی جیسی ناخوشی کے ساتھ جائے دن دنیا سے رہتی ۔ تاہم ادھی زنجیر قسمت ہی میں لکھی تھی اور وہ بھی ۔ اس ظالم کی جو ایسی خدمات لیتا تھا کہ توپ سے بھی تھیں نہ مشکل سے ۔ مگر آفت تو یہ تھی کہ یہ ادھر بچارے یہیں لوٹ رہے ہیں اور ادھر صاحب بہادر نے وارنٹ جاری کیا ۔ ضبط کی بھی ایک حد ہے ۔ آخر خیال پیدا ہوا کہ ؎

سر دگر اختصاری باید کرد — یک کار ازین دو کاری باید کرد
یا تن برضائے یاری باید کرد — یا قطع نظر ز یاری باید کرد

اور بالآخر دل نے یہی مشورہ دیا کہ کوئی ایسی ترکیب نکلتی کہ خاص ہوں کے جھگڑے سے چارہ ہوتی تو بہت اچھا تھا ۔

آپ جانتے جانور نے پنجرے میں ایک دفعہ پھڑک کر ہی پھر جی نہیں لگتا ۔ اسی دن جب دیکھے ایک ساہی بکھری ہی اور لہان ہی پر پیچھے چلے جاتے ہیں ۔ بلا بازیاں بھی کھاتا ہے ۔ مگر اب رکتا نہیں ۔ محل ہو ۔ ایوان ہو ۔ قصر ہو یہاں دل گھبرایا ۔ قید خانہ سے بدتر جینے سے بڑھ کر ہے ۔ جناب میاں موکل صاحب کی بھی یہی کیفیت طاری تھی ۔ آخر کار ایک روز اسی سوچ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جانسن صاحب نے طلب فرمایا ۔ بہت ہی جز بز ہوئے ۔ ٹھان لی کہ نہ جائیں گے ہرگز نہ جائیں گے جو ہو سو ہو ۔

ادھر دل لگی سنئے کہ ولایت سے ہندوستان کے ایک بہت بڑے دوست تشریف لائے تھے ۔ شام کو گنگا کنارے پارٹی دی تھی ۔ جانسن صاحب تو عادی تھے جس وقت ضرورت ہوئی موکل کو پکڑ بلایا ۔ فرمائش جیسے ہتھیلی پر سرسوں جم گئی ۔ اس وقت بھی اسی امید پر طلب کیا تھا ۔ مگر موکل صاحب آج شکل دکھاتے ہیں نہ کل ۔ آخر صبح سے انتظار کرتے کرتے تین پہر گزر گئے ۔ یہ بچارے نہایت گھبرائے جیسا جیسا دن گھٹتا تھا ۔ اضطراب اور بجالت بڑھتی تھی ۔ مارے انتشار کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ ۔ کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا ۔ گھر میں چلے پاؤں کی بلی بنے پھرتے تھے ۔ کبھی پتلون کی جیب میں ہاتھ ہے کبھی سر کھجاتے ۔ کبھی

کبھی برآمدے میں لفٹ رائٹ کرتے ہیں غرضکہ کچھ بنائے نہیں بنتی۔ بالآخر ایک دوست کو رقعہ لکھا جسکا ترجمہ یہ ہے۔ مائی ڈیر گھوس۔ بابو جی نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کہ آج ایک اتفاقی امر کے سبب سے جسکے واقع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ میں الوننگ پارٹی کا انتظام کرنے سے معذور ہوں۔ آپ بڑی مہربانی کرینگے اگر اس کام کو انجام دینگے میں نہایت شرمندہ ہوں کہ گیارہویں گھنٹے میں معذوری پیش کرتا ہوں۔ مگر اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں کیسا مجبور ہوں۔

آپ کا مخلص صادق
جانسن ۔

گھوس بابو ایک بڑے سرگرم اور مستعد دوست تھے۔ خدا نے زبان میں قوت افراط سے عطا فرمائی تھی۔ کوئی بات بلا حجت پیش کرے کبھی کی ہی نہیں۔ اگرچہ حسب عادت پہلے ارادہ تو ہوا کہ تفصیل معذوری کی دریافت کریں۔ اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے قائل کریں کہ ایسے وقت میں ایسا عذر ملک کی ہمدردی اور خیرخواہی اور تہذیب اور شائستگی کے بالکل برعکس ہے مگر دوستی مانع ہوئی اور سمجھے کہ اب وقت ضائع کرنے کی گنجائش نہیں۔ بیچارے نے باوجود نمایاں توند اور ڈھیلی دھوتی کے نہایت پھرتی سے سلیپر اتارا۔ بوٹ ڈاٹا۔ اور قمیص جسکا گریبان ہمیشہ بٹن سے محروم رہتا تھا۔ اُلٹا سیدھا گلے میں ڈالا۔ چھتری بابو صاحب کی جزولاینفک ہے ہی ہاتھ میں لی اور انتظام کو چل نکلے۔ قصہ مختصر بعد دوڑ دھوپ شور غل سیکڑوں اَرے باپ رے اوشش شالا کے بعد پانچ بجتے کانپتے دس بیس اور بنگالی مہاشاؤں کی مدد سے سب انتظام لیس کر دیا۔ پارٹی پر لعنت بھیج جسطرح ہو سکا ختم ہو گئی۔ مگر جانسن صاحب کو ایسا صدمہ دلی پہونچا کہ ساری رات کروٹیں بدلا یا زبان کھایا کئے۔ تپ شدید اور درد سر نے بالکل دیوانہ بنا دیا۔ کبھی تو تپنچہ مارنے کا قصد کرتے اور کبھی دریا میں ڈوبنے کی لہر آتی مگر صبح ہوتے صرف اس خیال نے ارادے سے باز رکھا کہ اگر ایسا سانحہ ہوا تو ملک کو نہایت سخت نقصان پہونچیگا لہذا مرض میں کسی قدر خفت ہوئی اور ذری ذری آنکھ لگی تھی کہ علی الصباح بلا طلب بلا اطلاع میاں موکل یعنے مولوی نصیر الحق صاحب تشریف لائے۔

ہمارے حضرت موکل علیہ ما علیہ مولینا نصیر الحق اور جانسن صاحب سے ایسے تعلقات تو تھے نہیں کہ ملاقات کیواسطے بیرا خانساماں کی ضرورت۔ کارڈ بھیجنے کی حاجت

ہوئی جیسے ہی کمرے میں صاحب بہادر نے سید صاحب اتنا غضبناک تھے۔ کھٹ سے وہیں جا پہونچے
صاحب بہادر اوندھے پڑے گرگٹ کی طرح گردن گھما کر دیکھتے ہیں تو ایک مہذب جنٹلمین
کوٹ سے آراستہ، اور ہیٹ کی ٹوپی سے پیراستہ۔ پتلون اور بوٹ سے لیس۔ کمرے میں موجود۔
پہلے تو اس خلاف تہذیب حرکت پر بہت ہی جھلائے۔ قریب تھا کہ جامۂ اخلاق کو پوشاک
شب خوابی کی طرح پھینک پھانک جھوٹے بنائیں۔ اور معذرت طلب فرمائیں۔ مگر فوراً خیال
گزرا کہ آخر یہ ذات شریف اس کمرے میں جہاں میم صاحبہ تک اب آج کل قدم نہیں رکھ سکتیں
داخل ہی کیونکر ہوئے۔ ضرور کچھ لمبا راز ہو۔ جلدی کا نام شیطان کا کچھ ذرا آئے سُن تو لیجئے تم
بازپرس کرو۔ ادھر یہ اسی سوچ میں غلطاں پیچاں۔ ادھر جنٹلمین صاحب تبسم کناں۔ تمام
تہذیب یورپین۔ شوخ چشمی اور بے تکلفی سے گڈ مارننگ مسٹر جانسن فرمایا۔
اب تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عجب کوئی بیہودہ دل ہندوستانی۔ بے تمیز بے تجربہ کرانی ہو
معلوم ہوتا ہے سید صاحب کا کوئی بے اکل چیلا ہو جس نے انگریزوں کی دیکھا دیکھی کوٹ
پتلون تو پہننا سیکھ لیا ہو۔ مگر اخلاق و عادات سے ناواقف ہو۔ غصہ اس بنا پر اور
بھی زیادہ ہو گیا کہ سید صاحب کا گروہ اس زمانے میں اینٹی کانگریس ہونے کی وجہ سے
کانگریس والوں کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ٹھیٹھ خالص ہندوستانی بھی نظر آتے
تھے۔ دستور ہے ضعیف دشمن پر غصہ بھی بڑے زور و شور سے۔ جانسن ایسے مینی بہادر تو
آتا ہے۔ یہ صاحب بہادر بھی ایک آنکھ ہی تو ہیں۔ اور ڈپٹ کر بولے تم کیسے گھس آئے
موکل۔ (قہقہہ لگا کر) یہ آپ اپنے دربان چوکیدار سے بوقت فرصت پوچھ لیجئے گا مگر
جو مجھے کہنا ہے وہ پہلے سن لیجئے۔ بندہ کو وقت ضائع کرنے کی مہلت نہیں

جانسن۔ تو آخر کیا کہنا ہے۔

موکل۔ کہنا یہ ہے کہ آپ نے مجھے پہچانا۔

جانسن۔ ہاں پہچانا کیوں نہیں۔ تم آپ اینٹی کانگریس ہے

موکل۔ اجی توبہ نہیں۔ میں ہوں کون شخص۔

جانسن۔ جہنم میں جائیں آپ۔ اور آپ کے سوالات۔ وہ بات کہئے جو کہنا ہو۔

موکل۔ اجی حضرت۔ میں وہی لوح کا موکل ہوں۔

موکل کا نام سنتے ہی صاحب بہادر قمیص اور ڈھیلی پتلون سے باہر ہو کے طوطے اڑ گئے

پھر وہ یکسا ہوا شریف آنکھیں پھٹی پھٹی ۔ ہر طرح کے برے ستم خراب خراب ہو گئی ۔ کل ہماری عجیب
یا ذلیل کیا ۔ (ہاتھ پٹک کے) تم کسواسطے اب آیا ۔ ہم ٹھیک بنا دیں گا ۔ روح نکالتا ہے
موکل ۔ بر تو ٹھا جس سوار ہو چکا ہے ! ۔ اب وہ گلی ہی خوشامد در آمد ۔ لاجپ لوجی کہاں
انھوں نے بھی گڑ گڑ کے کہا ۔ بسم اللہ جو جی چاہے کر دیجے گا ۔ آپ کو کیا اختیار ہی کیا ۔ آپ
کی اور اس انگل بھر لوح کی کیا طاقت ۔ آپ جانتے نہیں ۔ انگریزی عملداری میں پاؤں
رکھا ۔ اور غلام آزاد ہو گیا ۔

جانسن ۔ یہ تم آج باتیں کیسی کرتا ہے ۔

موکل ۔ سنئے حضرت ۔ اب ذرا مجھ سے قانون قاعدے سے بات چیت کیجئے گا ۔ مجھے آپ
کے زمانے آپ کے ملک کا سب حال معلوم ہو گیا ہے ۔ اب میرے وہ خیالات نہیں جو اپنے
ملک افریقہ میں تھے ۔ بعد مدت کے میری مصیبتوں کے دن گئے ۔ اتفاقات سے اس ملک
میں آنا ہوا جہاں نا حق اور ایسے باتوں کا چرچا نہیں جو ایک زمانے میں میرے ملک کے
ترقی رکے ہوئے تھے کو مصیبت گاہ بنائے تھیں اور اب اگرچہ وہ زور شور تو نہیں مگر پھر
بھی کچھ نہ کچھ اثر رکھتی ہیں ۔

اتنے دن ہوئے آپ کو میں نے حقیقت حال سے آگاہ نہ کیا تھا ۔ مگر اب مجھے اپنا مکنون
خاطر ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوا اسواسطے مختصراً کہتا ہوں کہ میں بھی اپنے زمانے میں اعلی
درجے کی لیاقت رکھنے والا تھا جس زمانے اور ملک میں تھا اسوقت اور وہاں عملیات
سحر ۔ ارواح طلسم ۔ سیمیا ۔ ریمیا ۔ شعبدہ بازی و نیرنجات کا بعید عقیدہ عام تھا ۔ میں نے
بڑی بڑی قوی ارواح تابع کرنے کے واسطے بڑے بڑے عملیات میں اپنی جان کھپائی
اور چونکہ ان ارواح کا بھی یہی عقیدہ تھا اسوجہ سے آخر خوب عمل چلے ۔ اور بڑے
بڑے میرے تابع ہوئے ۔ مگر میرے حالات عامیوں کی طرح رہیں ۔ دولت سلطنت
حاصل کر سکے نہ تھے ملک مجھے علم کے زور سے معلوم تھا کہ دنیا کا تمام دارومدار روحانیات
پر ہے ۔ بس میں نے تمام بنی نوع انسان کی ارواح مسخر کرنے کا منصوبہ باندھا تھا
میں اسم اعظم حاصل کر کے وہ کر دکھاتا جو نہ کسی فرعون سے ہو سکا نہ نمرود شداد سے ۔ مگر مقدر
کو کیا کروں میں ایک عمل تسخیر کی زکوۃ دے رہا تھا کہ ادنی سی فروگزاشت سے مارا پڑا ۔
جن شیاطین کو میں نے غلام بنایا تھا ۔ جن ارواح کو میں نے سانپ ۔ بچھو ۔ اور حشرات الارض

بنا پاہالی کے واسطے چھوڑ دیا تھا۔ وہ غفلت مین مجھپر غالب آئے اور مجھے مار گرایا
چونکہ قوت وطاقت کی شہرت پھیلی ہوئی تھی ایک اور ساحر نے جو میری رقابت
اور ہمسری کا مدعی تھا۔ میری روح کو مسخر کر لیا اور گویا اُن تمام ارواح کا مالک
ہوگیا جو میرے قبضہ مین تھین۔ میری حاضری اور اطاعت کیواسطے اُسنے اپنے علم کے
زور سے اس لوح کی ترکیب اسطرح دی کہ جن اسباب سے میری روح مطیع ہو سکتی
وہ سب مہیا کیے۔ اور میری روح کو مجبور کرکے وعدہ لے لیا کہ جب وہ لوح کسی
شخص کے گھر مین ہو فرمانبرداری کو حاضر ہون۔ چونکہ اسکو قدرت تھی کہ میری روح
کو جسطرح چاہتا تکلیف دیتا مین نے وعدہ اطاعت کا کر لیا اور ہمیشہ مطیع رہا۔
مگر جب وہ مرنے لگا تو اُسنے اپنے شاگردون سے وصیت کی تھی کہ لوح کسی کو نہ دیجاے
بلکہ اسکی قبر پر چسپان کر دیجاے۔ کیونکہ وہ اسطرح کے اعمال کرتے کرتے سنگدل اور
خود غرض ہو گیا تھا۔ وہ نہین چاہتا تھا کہ جو اُسنے حسن اتفاق اور اپنی جانفشانیون
سے حاصل کیا ہو وہ دوسرون کو بلا محنت ملے۔ اسوقت سے خدا نے مجھکو لمبی چوڑی
تعطیل دی تھی۔ مگر زمانے کی گردش سے ایک آفت زدہ وہان پہونچ گیا اور مجھے
یہان آنا پڑا۔ آپ نے اگرچہ مجھسے ایسے ہیچ و لچر کام لیے جو میری قوت کی ہتک
توہین کرنیوالے تھے مگر مین آپ کا ممنون ہون کہ میری آنکھین کھولدین۔ آپ کی
تحریرون۔ تقریرون اور آپ کے آزاد خیال اہل ملک نے مجھے وہ منتر اور جادو
سکھائے کہ باوجود سخت محنتون۔ اعمال خوانیون کے مجھے کبھی نصیب نہوئے تھے
مجھے اب یہان آکر معلوم ہوا کہ اسطرح کی اطاعت نہ مجھپر فرض ہے نہ آپ کو مجھپر
کوئی اختیار ہے۔ آپ اور آپ کے ملک مین وہ روحانی قوت ہی نہین جو مجھے پابند
کرسکے۔ علاوہ اسکے آپ کے قانون معاہدہ نے مجھے بتا دیا کہ جبتک کسی خدمت
کیواسطے میرے آپ کے کوئی عہد برابری طرفین نہو اور اسکا معاوضہ طے نہ پائے
اور تکمیل اسکی نہو جائے اسوقت تک آپ کو کوئی منصب کام لینے کا مجھسے نہین
جب مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کسی قسم کی مدد نہ کرسکے مجھے اطاعت کیواسطے مجبور نہین کرسکتے
اس ملک مین ذرا ذرا سی بات پر دادرسی کے لیے حاکم عدالت سے چارہ جوئی کرنی
ہوتی ہے۔ مگر شکر ہے کہ کسی قانون مین ابھی اطاعت روحانی کی دفعہ نہین لگی ہے۔ بس

لیتے رہتے مگر آزاد و ملک مین مجھے کیا وجہ کہ مین محروم رہون لہذا آج کی تاریخ سے
نوٹس دیا جاتا ہو کہ نہ مین آپ کا تابع نہ رہونگا۔ آپ اپنے گھر خوش۔ مین اپنی جگہ آزاد
یہ ملک حقیقی آزادی کا ملک ہے۔ مین نے اگلی حالت کو لعنت بھیجی۔ مین اب یہین کا
باشندہ ہو گیا۔ اور انسان کی صورت مین رہونگا۔ بہلت آزادی اٹھاؤنگا۔
اب آپ آیندہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیے۔ میرا وقت ضائع ہوتا ہے۔ اچھا رخصت۔
جانسن بیچارے ہکا بکا رہ گئے ہاتھون کے طوطے اڑ گئے۔ آرام کرسی پر دھم سے
گر پڑے۔ اور موکل یہ جا وہ جا۔

اب مولوی نصیر الحق صاحب اور مسٹر جانسن سے تو رخصت ہو گئی تو یہ انکے
تابع نہ وہ انکے حاکم۔ ہر طرح سے مطمئن ہو کر معشوقہ کی فکر اور شیخ کلن کی مصاحبت
کی وہ افراط کہ ایک صبح سے دوسری صبح تک یہی چرچے یہی تذکرے رات دن حصول
مدعا کی فکر ہے عشق کا سودا سر مین۔ شادی کی ہوس دل مین۔ آپ جانیے ہمارے
شیخ کلن سلامتی سے آٹھون گانٹھ کمیت۔ انہین خدا کی عنایت سے کسی امر کی کمی
نہین۔ انھون نے بھی کچہری دوڑنے کی زحمت ترک فرما کر یہین دھونی رمائی۔ دونون
وقت طعام لذیذ دسترخوان پر زہر مار کرنا شب کو حقون کا دھوان اڑانا گلوریون
کا ٹھونس کرنا۔ اور زمین آسمان کے قلابے ملانا اختیار کیا۔ دو چار روز جھانسیان بتا کے
آخر مولوی صاحب کو مژدۂ مسرت انتما سنایا۔ لیجیے مبارک ہو معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ خدا
جانتا ہے حضور کے اقبال سے پتھر مین جونک آسمان مین تھگلی لگی ہے۔ ایسے شخص کو گانٹھا
ہے کیا مجال معاملہ پٹ نہ جاتا۔ حضور بڑی ہی تلاش بیحد جستجو سے معلوم ہوا۔ ایک مہری
جو حضور کے مکان کے پاس ہی رہتی ہے بھلا سا نام ہے۔ بیرن وہ وہان آتی جاتی ہے
کسی زمانہ میں کیسے بوڑھی نہین تھی۔ بس کل خبر پاتا تھا کہ رات بارہ بجے اسکے ہان پہونچا۔
آواز سنتے ہی نکل آئی۔ ایک اسلوب سے مطلب بیان کیا۔ بعد بڑی خوشامد اور لالچ
کے نیم راضی ہوئی ہے۔ مگر جاتی کہان ہے مجھے پر ہاتھ رکھنے دیا ہے۔ اب مطلب حاصل ہی
سمجھیے۔ ہان اتنا ہے کہ مزدور سے لگے ہین کہ مزد مزدور خوش دل کند کار بیش
مولوی صاحب نے اپنی طرف سے اطمینان کر دیا۔ اور تصدیق کیواسطے پانچ روپیہ
اسکے نام پر حوالہ فرمائے۔ فرمائش یہ کی کہ جبتک شادی بیاہ کا انتظام ہو جائے

کسی طرح دور ہی سے ہاتھ جوڑ کیا کریں۔ شیخ کلن نے کڑک کے جواب دیا "حضور حکم ہو تو
یہیں بلوا دیا جائے۔ اب کس بات کی کمی ہے۔ دیکھئے تو آج اس سے مکر کیا ہوتا ہے"
شیخ صاحب تو گھر سدھارے اور بیچارے مولوی صاحب کوچ پر دراز ہو کے لگے
خیالی پلاؤ پکانے۔

تخیلہ اور واہمے کی کھلی بازیاں تو آپ جانتے ہی ہیں۔ مولوی صاحب کو شیخ صاحب
سے نجات ملی تھی کہ ان دونوں نے آگھیرا۔ کوششوں میں کامیابی۔ نسبت کا پیام
شادی کا اہتمام۔ عقد کا جشن۔ معشوقہ کا وصال۔ حصول مقصد کا سامان۔ عیش و عشرت
کے لوازم۔ الفت و محبت۔ آزادی و فراغت خاطر کے لطف اٹھاتا۔ یہ سب سامان
ایسا نہ تھا۔ ساری رات کی نیند حرام نہ کرتا۔ اب مولوی صاحب ادھر ادھر کروٹیں
لے رہے ہیں۔ کبھی امید کی خوش آئند ہوا کا جھونکا آگیا ہشاش بشاش ہو گئے۔ دل کی کلی
کھل گئی۔ کبھی یاس و حرمان کی سموم چل گئی۔ دل کا کنول مرجھا گیا۔ کبھی اضطراب
نے ستایا اور رہی سہی دل میں الجھن پیدا کی۔ گھبرا کے اٹھ بیٹھے۔ غرضکہ ہو کل سے
مولوی ہوئے تھے۔ اور اب مولوی سے اچھے خاصے پاگل ہو گئے۔

انسان کسی حالت اور صورت میں کیوں نہ ہو بہت کچھ آدمیت اور انسانیت ظاہر
کر سکتا ہو بشرطیکہ اسکے دل پر ٹھیک چوٹ لگے۔ ہمارے مولوی صاحب گرگٹ کی طرح
لاکھ رنگ بدل چکے تھے۔ روحانیات اور عملیات نے ارادے، ہمت اور توجہ کو پہلے سے
زیادہ سخت کر دیا۔ خیالات اور ارادے میں موج نام کو نہ رکھا تھا۔ عاشقی اور موت کے قائل
کی اطاعت کرتے کرتے ایک جیتی کل ہو گئے تھے۔ دنیا کی سیر اور زمانے کے سرد و گرم
ہوا و ہوس اور خواہشات نفسانی کے جھونکے انکے حرکات و سکنات پر وہی اثر کرتے جو نسیم
و صبا سنگ خارا پر کر سکتی ہیں۔ مگر دل کمبخت دل نادان تو وہی تھا جو انسان کے ہوا کرتا
ہے۔ فطرت اور نیچر تو جیسیں رکھدیا ہو وہ تغیر ظاہر ہو سے بھی نہیں سکتا۔ آج نہیں تو
کل۔ کل نہیں پرسوں ظاہر ہو گا۔ طاؤس کی طبیعت میں شان کے رقص کی قابلیت
نہیں۔ پھر پالکر پالے پرورش کیجئے تب اسے چلتا پھرتا نظر آئیگا۔ برسوں کا طوطا جو پنجرے
سے نکلتے ہی جنگل جھڑ بیری سے اڑجائیگا۔ کتے کی دم بارہ برس بعد بھی زمین کے نیچے سے
ٹیڑھی ہی نکلے گی۔ پھر اگر ہمارے عاقل و کامل مولوی کا دل بھی ویسا ہی نادان بیوقوف

موم کی ناک [illegible] وکیل عشق کا نشانہ ہو گیا۔ بیچارا آپ کا ہو بھی تو کون تعجب کی جگہ۔ حیرت کا مقام ہے۔ آپ مصیبت میں آفت یہ کہ شیخ مکھن سے ہر یک پینے والے مہری کو دوسرے ہی دن کو اٹھا در دولت پر حاضر کیا۔ اب مولوی صاحب کا انتظار اور انتشار بانسوں بڑھ گیا۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ آنکھیں نکل آئیں۔ دل میں بیٹھے ملنے لگے کلیجا اچھل اچھل کر منہ کو آنے لگا۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ۔ زبان میں لکنت۔ کچھ کہتے بنتا نہ تھا۔ [illegible] دل میں منصوبہ کا نقشہ سوالات کا مسودہ تیار کیا تھا سب غت ربود۔ اب یا [illegible] کی تمیز نہ رہی کہ کون بات مہری سے کی جائے کون سی [illegible] کیواسطے سینت رکھی جائے۔ آخر بعد ضبط و کوشش بسیار۔ سراسیمہ۔ اسقدر بولے کہ بی مہری ہم تو وہاں کے طریقوں سے آگاہ نہیں۔ [illegible] جس طرح ہو ہمارا نکاح ہو جائے مہری ایک چلتی ہوئی۔ زمانہ بھر کی گرگ [illegible] ڈھنگ سے بنانا شروع کئے۔ حضور یہ کچھ مشکل نہیں۔ مگر آپ کا ڈھنگ کھلا [illegible] جہاں تک بس چلتا ہے کوشش کرونگی [illegible] شیخ مکھن [illegible] ہوشیار رہنا۔ اسنے کہا کہ مولوی صاحب تو [illegible] پڑھتے پڑھتے [illegible] و نقل و معقولات [illegible] بسم اللہ کرو۔ [illegible] اس طرح سے [illegible] آ گئے ہم [illegible] قصہ مختصر مہری کو پانچ روپیہ انعام دلوا کر رخصت کیا۔ اور مولوی صاحب کے نزدیک [illegible] کیواسطے دن بھر سو پچاس کے واسطے سامان مہیا کروا۔

سولھواں باب

موکل کی معشوقہ

ہمارے مولوی نصیر۔ عاشق تن کی معشوقہ [illegible] مہری مختار حسین اتفاق سے آس [illegible] مخلوق [illegible] جنکا سلسلہ [illegible] معلوم [illegible] ہوا کرتا [illegible] زندگی [illegible] آگاہ نہ تھے کہ یہ ہمارے روزگار [illegible] موکل کش۔ مولوی [illegible] جمال حسین۔ مہ جبین۔ [illegible] کی معرفت [illegible] کیونکر ماں کے پیٹ میں جلوہ افروز ہوئی

اور کب دنیا کے جھنجٹ میں اپنے قدم رکھا۔ اِن حافظے پر بہت زور دالنے سے بدقت تمام
استدبہ و شوق کے ساتھ کہتے تھے کہ جب انکی مادر مشفقہ بعد تردوات بسیار۔ و افکار
بیشمار۔ بالکلت شرعی و عرفی انکے گھر آئی ہین۔ تو دان جہیز سب کی عوض یہی تو تم
سا تحفہ لائی ہین

آپ جانئے زمانہ ایک ہی چھٹا ہوا کھلاڑی ہے دنیا شہرہ گر شطرنج کے پیادے کو
فرزین بناتا۔ اژدہے کو ہزار سال مین پوچھ کر دینا۔ خاک کے ذرون کو مشکل غ بنا دیا
اسکے بائین ہاتھ کا کرتب ہے پھر اگر چند سال کی بچلست بچاورت یکجائی۔ دنا شوئی سے
یا رہی۔ آشنائی۔ تعلق ناجائز۔ بدون اجازت قاضی صاحب نکاح بن گیا تو کون
تعجب کی بات تھی۔ دوسرے طعن الوصیکن خیرا ہو آپ کو کیا ضرور کہ ان بنک بحث
کے والدین کا کابین نامہ نکاحنامہ تلاش کر دیکھیئن۔ بس یہ سمجھئے انکے والد انکی
مان کے شوہر اور مان انکے والد کی زوجہ تھین چونکہ مکانات اور پرانسری تولکی بدولت
متوسط حیثیت آبرو اور نمش والے خاندانون کی طرح بفراغت بسر کرنے کی مہلت
خدا نے دی تھی۔ مشغلہ بیکاری یعنی اردو شعر کا نکھنے کا شوق انکے بزرگوار کو ایسا
متعدی تھا کہ گھر بار کے تمام کارخانے مین شاعرانہ خیالات اور دماغ کی طرح وارفتگی
ژولیدگی اور دل کی ہوسون پر کارروائی ہوتی رہتی تھی۔ شاعری صرف غزل گوئی
پر موقوف تھی۔ اور آپکو معلوم نہین کہ ہندوستانی بگڑے ہوئے مذاق۔ اخلاق
اور تہذیب کے صدقے مین بازاری اوباشون۔ رنڈیون۔ خانگیون کے نخرون
غمزون بیحیائیون بخش خیالات۔ رندانہ مضامین شطحیات کو (جو بسا اوقات
کفر کی حد سے بھی گذر جاتے تھے) ایسی صفائی اور ڈھب سے موزون کرتے تھے کہ
ادھر منہ سے شعر نکلا ادھر سامعین کے دلون سے صدائے قبولیت بلند ہو گئی۔ اس
عام پسندی نے انکو مجبوراً اس جانب مائل ہی نہونے دیا تھا کہ اپنی حالت مین تہذیب
کا خیال شعر کہنے کے وقت رکھتے۔ اس لاپرواہی نے رفتہ رفتہ اس لحاظ اور حیا پر بھی
چھاپا مارا تھا۔ جو ایک بڑے بوڑھے اور انکے فرزندون مین رہنی چاہیے عشق و عاشقی
فسق و فجور عیاشی و اوباشی۔ رندی و ہرزہ بانی کے مضامین۔ کھل کی بیحیائیان
تقوی اور پرہیزگاری پر تشنیع و تمسخر کی بے حرمتی۔ عیاشی اور بیحیائی کی بے فخر و مباہات

اور دل کی امنگوں کو ابھارنے والی باتوں کی کچی پوچھی آپی کو زیورِ حیا سے معرّا
ہی نہیں کر دیا تھا بلکہ عموماً اسکے تمام حرکات و سکنات میں ایک طرح کی بے باکی شوخ
چشمی بیباکی پیدا کر دی تھی۔ عصمت و عفت کے خیالات زنانہ شرم اور حجاب کے
چھوئی موئی کو خیرہ سری کے سر و جھونکوں نے بالکل مرجھا ڈالا تھا۔ اگرچہ ابتدا
میں قرآن شریف اور ترجمے اور چند اردو کی مذہبی کتابوں کی تعلیم ہو چکی تھی مگر
جیسی جیسی سنّا سمجھ سے سیانی ہوتی گئیں۔ رگوں میں شباب کا لہو تیزی سے دوڑا۔ لگا
چہرہ پر جوانی کا روپ روشن آیا۔ ماء الشباب کی آب عارض کی جو بن [illegible]۔ آنکھوں
میں بلند نظری۔ مستانہ حرکت اور مشتاقانہ جھجک آئی تو اسکے دماغ نے دامن خیال
پر بساطِ عیش و کامرانی بچھائی۔ گوشۂ دل جو پہلے معصومیت اور بھولے پن کا خلوت خانہ
تھا۔ ہوا و ہوس کا کاروانسرا بننے لگا۔ ساری مذہبی کتابیں ایک ایک کر کے
طاقِ نسیان کے حوالے ہوئیں۔ اردو دیوانوں۔ مثنویوں۔ داستانوں۔ افسانوں
ناولوں کی تلاوت ہونے لگی۔ خصوصاً میر حسن کی مثنوی۔ زہرِ عشق۔ رینالڈز کے
ناولوں کے ترجمے تو کوئی ایسا ہی کمبخت دن ہوتا ہوگا کہ شرفِ داخلہ سے سرفراز نہ ہوتی ہوں
ابا جان کے اشعار اور غزلوں کا کیا پوچھنا۔ وہ تو ہر بات پر آیت و حدیث تھے۔ فطرتی
شوخی چنچل میں چستی اور پھرتی۔ البیلا پن۔ حاضر جوابی اور زبان درازی کی سرحد
جا پہنچی۔ بات تو بعد کو زبان سے نکلتی تھی مگر واردات قلبی کا تماشا گر انداز و ادا کی
تاروں سے۔ ہاتھ یا انگلی چشم و ابرو کو وہ جنبش دیتا کہ بند [illegible] بتانا بھول جائے
بات بات پر لوچ پیدا ہیں۔ پیشانی و ابرو کی شکن۔ کتابِ دل کے مضامین
کی فہرست پہلے پیش کرتی۔ نتھنوں کی پھڑک نازک دماغی دکھاتی تو چال ڈھال
نشست و برخاست میں سیماب۔ وحشی دل کی بےچینی۔ بیتابی۔ دوسرے کے منہ سے
بات نکلی نہیں کہ جودت سے جواب ملا نہیں۔ اور جواب بھی وہ کہ ماضی و حال
و استقبال سب کو لپیٹے ایک ایک زبان میں دس دس سنا دی۔ بات بات پر نوک
جھونک چوچلے۔ دور پار اُف۔ اوئی۔ واللہ باللہ۔ چٹکی ہٹے ادا سے آرائش کا کام کرتی
منہ چڑھانا۔ ٹھینگا دکھانا۔ چٹکی بجانا۔ ہاتھ پہ ہاتھ کا کرتب۔ بیٹھے بیٹھے آپ ہی جھجک جانا
تیوری پر بل ڈالنا۔ اٹھلانا ادنیٰ سا کرشمہ۔

اس آفت روزگار ـ برق وش کو اپنے کمرے مین ہمسائے کی ایک ہمجولی کے
ساتھ پایان آگے دھرے دیکھے ـ اور بی امیرن کا ادا سے مطلب کیواسطے کان مین با
ڈرتے ڈرتے ہونٹنا خیال کیجیے ـ انھون نے بھی باعانت شیطان اپنے وقت مین
بہت کھیل کھیلے تھے ـ اب اگرچہ کمان اتر چکی تھی ـ ہاتھ بے مہندی کے ایک دن
بھی نہ رکھے گئے تھے ـ صبح سویرے سب کامون سے پہلے پیشانی سے سفید بالون
کو ڈھونڈ چنا کرنا ـ اور تیل پانی سے پٹی بنانا انکے روزمرہ مین داخل تھا ـ جاتے
ساتھ ہی انھون نے چٹ چٹ بلائین لین ـ دعائین دین اور کمرے کی چوکھٹ
پر بیٹھنے کی نیت سے جو گھر کر دیکھا ہی تھا کہ صاحبزادی صاحب نے پوچھ لیا
کہو امیرن کیا رنگ ڈھنگ ہین ؟

امیرن ـ حضور سلامتی رہے آپکی ـ اچھے رنگ ڈھنگ ہین ـ اب تو ایک آرزو ہے
بس وہ پوری ہو جائے ـ پھر خدا اٹھا لے ـ اب جینے کا مزا نہین ـ کچھ خوشی ہے

صاحبزادی جب سے رمضانی مر گئے تب سے تم بالکل ہی ادھ موئی ہو گئی ہین ـ

رمضانی امیرن کے شوہر تو خدانخواستہ تھے نہین مگر انہین انسے کچھ بے تکلفی
ایسی تھی کہ جسکا حق کسی کو بغیر شوہری پرا گروے پیپر (عوضی نامہ) حاصل
کئے ہو نہین سکتا بس رمضانی کا نام کیا تھا محرم کا نوحہ تھا ـ بی امیرن سنتے ہی
زار قطار رو رو کر دوپٹے کا آنچل تر کرنے لگین ـ بی صاحبزادی کو بھی دل و درد مند کی ملکیت
کا بڑا ادعا تھا ـ آہ سرد بھر کر بولین سچ ہے بوا

جسکو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

صبر کرو امیرن صبر کرو ـ

امیرن (آنسو پونچھکر) صاحبزادی خدا آپکو تر و تازہ سلامت رکھے پھلو پھولو پروان
چڑھو سہرے کا پھول دیکھے ـ ہم لوگون کا بھی دل خوش ہو (دو ہنسیہ بالین دیکھ کر
اور ذری آگو وار کھسک کر) ہجی ایک بات کہون اگر اترات (اجازت) پاؤن
اے ہان ـ بھئی مین ڈرتی بہت ہون ـ کہین مجھ نگوڑی کی ناک چوٹی مت کاٹی جا
ایک خبر مین نے بھی اڑتی اڑتی سنی ہے ـ کچھ کہنے کی جگہ ان دنون (نہ) میری
تو اکل (عقل) حیران ہے ـ

صاحبزادی - کیا ہو گیا - کچھ کہو تو سہی للہ میں بھی تو سنوں -

امیرن - لِلّٰہ کہونگی میرا منھ نہیں پڑتا - ایسی بات کی بات گرافات کی گرافات (خرافات) منھ سے نکالوں

صاحبزادی - اوئی امیرن تو آج تمکو ہو گیا کیا ہے - اگر تمکو کہنا ہی تھا تو ذکر کیوں لا بتاؤ تو سہی کون بات ہے - میں نہ مانوں گی -

امیرن - کیا کہوں یہ جو یہاں ہمسائے میں ایک امیر باہر کے رہتے ہیں نا خدا بچے (خدا جانے) کیوں ٹھہرے ہیں - انکا کچھ ارادہ ہے -

صاحبزادی - (ہنسکر) بھلا مجھ سے کیا ارادہ ہو - کیا کسی کو بھگا لیجائیں گے

امیرن - نوج - دور پار - دشمن - مدعی - جو تمہارا جیتے ہوں - وہ بھاگیں - اس رمز کو پا کر دوشیزگی کی نیرل خیال نے پیٹ تو ہٹ کی آنکھ نیچی - زبان ساکت - چہرہ ارغوانی گرو تمر زبان شوخ چشمی شوم - تجاہل کر کے صاحبزادی بولیں - موئی کسی بات کا اور چھو ہے کچھ خلاصہ (مفصل) تو بتا - آخر معاملہ کیا ہے - میں بھی تو سنوں - اسمیں برا ماننے کی کون بات ہے جو منشا ہو کہدو نہ صاف صاف - ہاں کہ کے نہ کہو گی - تو البتہ شکر مرنج ہوگا -

امیرن - ملیے بیبی خدا تمکو زندہ سلامت رکھے موئی بات کی کیا بات ہے جان تک حاضر ہے وہ بات ہی ایسی ہے - میں کیا کہوں - نہ معلوم اچھے آدمی ہیں برے ہیں بظاہر میں تو بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں - دل کا حال اللہ کو معلوم - مجھکو تو کچھ بد نظر سے معلوم ہوتے ہیں - بہو بیٹیوں پر ایسی نظر رکھتے ہیں - مگر ایک بات بھی واجبی ہے آدمی کا دل پر کیا قابو - دنیا میں سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں - پاس پڑوس کی تو بات ہے - کہیں کچھ سنا ہو گا جو جیسا ہوتا ہے - لوگ کہتے ہی ہیں -

صاحبزادی - امیرن - لے میں کہتی ہوں - آخر بات کیا ہے - یہ گھم گھم کہتی کیا ہو -

امیرن - اچھا پھر کہونگی - اسوقت مناسب نہیں -

صاحبزادی - نہیں نہیں ہم تو ابھی سُنیں گے -

امیرن - اکیلے میں کہونگی -

صاحبزادی - تو یہاں کون ہے - کہتیں کیوں نہیں - رقیہ سے پردہ ہی کس بات کا

رقیہ - دیکھو دس کی تو عمر ساری عورت ہو کر ایسی باتیں تو تو ہم بھی شرماتے ہیں -
صاحبزادی - نہیں نہیں یہ کون سی بات ہے - واہ بیوی بھی اب ذرا سی بات پر مجھکو
یہاں سے بھیجے دیتی ہیں - ہاں امیرن -
امیرن - کیا کہوں مجھکو تو کچھ عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں - تمہارے واسطے
انکا برا حال ہے - کہاں گنہگار ہیں - بچہ تو تم ہی نے شوق کی بات کی ہے -
صاحبزادی - کیا کہا تو نے مری [illegible] پھر تو کہنا تو نے کیا [illegible] کے ایسا کہنا منہ سے
نکالا - ابا صاحب برا حال ہو گا اپنے ہوتے سوتوں کے - آج وہاں جو بیاہ ہو جاتی
رہ تو سہی اسکی سزا تجھکو کیسی دیتی ہوں - تو دور ہو میرے سامنے سے - اب جو
اس کمرے میں قدم رکھا پاؤں - کاٹ ڈالوں گی - [illegible] ہیں تو سہی [illegible] کون ہے
ابھی تو محلے سے نکلوا دیتی ہوں - آئیں ابا جان - ساری شرارت خاک میں ملا کر [illegible]
اپنی والی پاؤں - تو دم بھر ٹھہر جا شکوا اگر دوں - کیا انکے کوئی اماں [illegible] بیٹھی ہیں -
رقیہ - بس بس بس غصہ تھوک ڈالیے - دو گھونٹ پانی پی لیجیے - ذرا آئینہ
میں چہرہ تو دیکھئے - آخر میری بیچاری کا کیا گناہ - یہ بھی عجیب زبردستی ہے - آپ ہی
تو کرید کرید کے بات پوچھو اور آپ ہی [illegible] جاتے [illegible] مجھے بیچ چلے
اچھے نہیں معلوم ہوتے - ایسی باتیں ہی [illegible] کیا ہے - دنیا میں لوگ [illegible] ہی
کرتے ہیں - [illegible] رہ -
صاحبزادی - بہن تمکو نہیں معلوم [illegible] ہو -
امیرن - [illegible] نہیں [illegible] سے [illegible] ہوئی [illegible] اٹھ
اف بھی کروں تو گلا دبا دے - [illegible] امیرن اور بھی [illegible] لگیں اور
رقت کا یہ حال کہ [illegible] ہچکیاں بندھ گئیں - پیٹ میں سانس [illegible]
رقیہ - [illegible] جانے دو امیرن - [illegible] انسان سے بھول چوک ہو ہی جاتی
ہے - تمکو بھی [illegible] نہ کرنا چاہیے [illegible] گوہر بیگم (صاحبزادی کی طرف مخاطب
ہوکر) تمہاری بھی تو ابتک بچوں کی سی باتیں ہیں - ہوئی امیرن کا [illegible] قصور
ہی کیا - اسنے جو سنا کہہ دیا - سچ پوچھو تو خوشخبری لائی تھی - دل میں تو تم بھی خوش
ہوئی ہوگی -

گوہر بیگم - ایسی خوشی تمہین کو مبارک ہے ہم یہان ایسی باتون پر لعنت بھیجتے ہین

رقیہ - ہان کیون نہین آپ تو انسان نہین فرشتہ ہین - دنیا سے نرالی ہین صاحب -

امیرن - چلیے اسوقت میری زبان منہیون سے کچھ ایسی دونون آنکھین پھوٹ جائین - جو جھوٹ کہتی ہون - ہماری صاحبزادی کی باتین سلامتی سے ابھی تک بچون کی سی ہین - تین پانچ کچھ نہین جانتین - کوئی مرتا ہے پڑا مرا کرے - اس شخص کے دل پر ایسی ہی چوٹ ہے - مدت سے زیر سایہ پڑا ہے - بھلا عاشق ہے - امیر ہے اپنے گھر سے - خوش خرم ہے - مین نے سنا ہے - کان گنہگار ہین - خو نے جھوٹ ہو کہ سچ ایکدفعہ یون ہی سی جھلک دیکھ لی تھی - وہ دن اور آج کی گھڑی دیوانہ ہو گیا ہے پھر اسمین جھوٹ کیا - خدا نے بنایا ہی ایسا ہے - خدا جانتا ہے سات قرآن درمیان - سب بھائی بہنون مین یہی ایک اولاد ہے نک سک - رنگ - ڈھنگ - صورت شکل کی نکلی -

رقیہ - جی ہان - یہ ہین احمق - ابھی آدمی کے دل کی کیفیت انکو نہین معلوم - ہم تو ایسے لوگون کو بڑی قدر کے لائق سمجھتے ہین - بچارے مجبور ہین - انسان ہین صورت کے بھلی معلوم ہوئی - آدمی کیا عاشق نہین ہو جاتا - محبت نہین ہو جاتی -

گوہر بیگم - بے بس ہین - چولھے مین جاے ایسی ہنسی - بہن تم نہین جانتی ہو یہ بات بڑی بدنامی کی ہے - ابھی کوئی سن لے - ایک ایک کی دس دس مشہور کرے - تم لوگون کو کیا اپنی تو موتی کی سی آبرو اتر جائے -

رقیہ - جی تو کیا کوئی ڈھنڈھورا پیٹتا ہے - آپس مین نہ معلوم کہان کا تذکرہ ہوتا ہے یون کیا آفت - اندھیر ہے سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا - یہ تو دل لگی کی باتین تھین اتنے مین گوہر بیگم کا دل نہ مانا - زیادہ حالات دریافت کرنے کا اشتیاق کھڑے کھڑے لیے دیتا تھا - مگر ظاہری حجاب مانع - آخر پہلو بدل - رقیہ کے قریب ہو بیٹھین اور ایک پرزے پر یہ عبارت لکھکر انکو دکھائی -

"تمہی سے مناسب حال پوچھو تو صاف صاف"

رقیہ - کیون مجھی سے تو جھوٹی ہون - یہ ہین کون ایسے بڑے لاٹ صاحب کے بیٹے

انہیں کہو گرڈ ہیا مین منھ ادھر کھیں۔ محلے مین ڈھمنی دیے پڑے ہین۔ ایسا انھون نے کیا منھ کا نوالہ سمجھ لیا ہے۔ یہ قرینہ کون ہو۔ یہی کوئی اشرافون کے ڈھنگ ہین

امیرن۔ بیبی ڈشتی ہون بڑے آدمی ہین۔ کہیں کے راج کے نائب ہین۔ پھانسی کا حکم دے سکتے ہین۔ یہان اسی امید پر پڑے ہین۔ لکھنؤ مین شادی کرینگے۔ اور ایک بات اور بھی خبر کہونگی۔ تو رہو ناک کاٹی جائیگی

گوہر بیگم۔ تیری تو باتین ہی ایسی ہوں تو کوئی کیا کرے

رقیہ۔ اچھا اچھا اب چپ رہیے۔ آپکا درمیان نہیں۔ ہم اپنے امیرن سے باتین کرتے ہین۔

گوہر بیگم۔ ہان ہان تمھیں چلی جاؤ نا۔ رانی ہو جاؤگی۔ ہے جاے جا امیرن انھین کر منھ مین پانی بھر آتا ہے۔ دوگنی آج کدھر جاتی ہو۔ گھر کی طرف یا دمین

رقیہ۔ واہ بہن۔ کیسے منھ بھر کے کہتی ہو۔ سلامتی سے آئی۔ اب کیا یہ بھی پاؤن کی جوتی ہو۔ ایسا کسی کا نصیبا ہو تو لے۔ سیکڑون کو انپر سے منگل اتوار صدقے کرون اچھا ذرا چونچ بند کرو۔ بات کرنے دو۔

امیرن۔ ہان کہین کیا کہتی ہون۔

رقیہ۔ وہی بات جس سے خوش ہو۔

امیرن۔ بات یہ ہے وہ تو انکی جان سے دور انپر مرے ہوئے ہین۔ رات دن آہین بھرتے ہین۔ کوئی صورت سے شادی ہو جاے۔ بہت کچھ خرچ کرنے کو کہتے ہین۔ ایک ایک کی خوشامد کرتے ہین۔

گوہر بیگم۔ کیا تم وہان جاتی آتی ہو۔

امیرن۔ نہین بیٹی۔ بے بھلا میرا مردانہ مین کیا کام۔ جان نہ پہچان۔ خیری خالہ سلام۔ ہان ایک شیخ جی ہین کچہری مین کام کرتے ہین۔ انکو جانتی ہون۔ انکے باپ پر مقدمہ چلا تھا۔ وہی چھڑا لائے تھے۔ تب سے یاد اللہ ہے۔ مجھے راستہ گلی مین لجاتے ہین۔ بیچارے پوچھنے لگتے ہین۔ امیرن اچھی ہو۔ سب خیر صلاح۔ سرکار مین خیر وعافیت۔ وہ انکے یہان نوکر ہو گئے ہین۔ وہ کہتے تھے۔

رقیہ۔ صورت شکل کیسی ہے۔ کبھی باہر نکلتے ہین۔ بھلا کسی ترکیب سے دیکھ سکتے ہین۔

23

گوہر بیگم۔ آخر دیکھ کے کیا کرنا ہے مطلب۔ غرض۔ اچھی ہین۔ رہیہ باہر ہین اپنے گھر کے امیرن۔ کوہ تر کبھی کبھی ادھر سے نکلا کرتے ہین۔ دیکھو کوئی روز تم بھی ہو تو مین کوٹھے پر سے دکھا دون۔

رقیہ۔ اچھا۔

مہری تو اپنا منتر پھونک ہی چکی تھین کہ نو دو گیارہ ہوئی۔ ادھر رقیہ اور گوہر بیگم مین ہی مین یہ صلاح قرار پائی کہ یہ کوئی باہر کے گاؤدی۔ گورکھے۔ گول دو تو ہو۔ اپنے لیے گنوار عجیب لغلول۔ احمق الذی پائے جاتے ہین۔ آؤ انکو خوب الو بنائین۔ واللہ دل لگی تو خوب ہوگی۔ یہ بھی کیا یاد کرینگے۔ لکھنؤ شہر مین ہمنے کبھی عشق بازی کی تھی۔ اب پیر [illegible] ل چکر نہ لگائین۔ گر دان کبوتر نہ بنین تو میرا ذمہ۔ اچھی ہان ذرا انکو بھی علوم ہو یہ کوچہ کیسا ٹیڑھا ہے۔ یہ صلاح کر کے رقیہ تو اصل خیر سے اپنے گھر سدھارین اور گوہر بیگم کیواسطے شتر بے مہار خیال کے غمزون کی سیر دیکھنے کا سامان کر گئین۔

ستر ھوان باب

اے فلک ہنستو مجھے ہنستے تھے — ہنستے ہنستے رولا دیا کس نے

گوہر بیگم نوجوان۔ اچھی۔ الھڑ۔ زمانے کی اونچ نیچ سے ناواقف۔ دنیا کا تماشا صرف قصون افسانون۔ اور دوجے شاعرانہ مذاق کی میجک لینٹرن (جادو کی لالٹین) سے دیکھنے والی مخرب اخلاق ناولون اور مثنویون مین یار پرست۔ آوارہ مزاج بیباک۔ شوقین جیورون کی بہنون کے حالات پڑھنے والی پیاری۔ آشنائی نفس پرستی کو عشق۔ الفت۔ دانش سمجھنے والی۔ اسیر ظلمی شوخ چشمی۔ اور گستاخ آزادی۔ سونے مین سہاگا۔ خدا کی عنایت سے کچھ پڑھی لکھی بھی تھی۔ یورپین طرز تہذیب نے آزادی نسوان۔ حقوق عورات کا منتر بھی کان مین پھونک دیا تھا۔ پہلے ہی سے کنوٹیان کھڑی تھین۔ عشق محبت یاری۔ آشنائی کی بارود۔ اطوار اور کردار کی سرنگ مین بھر چکی تھی۔ ادھر مہری نے شتابہ لگایا۔ اور ادھر حیا و عفلت کا برج اڑ کر اڑا رکہ دھڑ ہم ہوگیا۔ خیالات پریشان کی فوج نے دل اور دماغ کے قلعہ پر یلغار حملہ بولدیا۔ عشقبازی کی امنگون۔ چلبلے پن پیدا ہونے کی مسرت۔ ناز و نیاز۔ سوز و گداز کی لذت۔ وصل۔ ہجر۔ فراق۔ انتظار کے

رمانوں نے تسکین خاطر کی متاع کو غارت کیا۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ اپنے چاہنے والے
کو کون نہیں چاہتا۔ مثل ہے چاہنے والی بلا بھی اچھی ہوتی ہے۔ پھر گوہر بیگم اگر ایسے
زمانے سا یہی طبیعت۔ ایسی تربیت کے ہونے پر بھی بچلی اٹھی رہتی تو تاریخ دنیا میں ایسا
واقعہ گزرتا جو نہ کسی فلسفہ اخلاق کی رو سے ٹھیک اُترتا۔ اور نہ طبیعت انسانی
باوجود دعوی بوقلمونی۔ اسکی کوئی نظیر پیش کر سکتی

اب اسکا یہ حال کہ آپ ہی آپ دل سے باتیں کرتی۔ کبھی چہرے پر مسرت و خوشی
کبھی حرکات اضطراری۔ دل ضدی بچے کی طرح قابو میں نہیں۔ لاکھ لاکھ سنبھالا کرتی
ہے سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں۔ سر میں چکر۔ دماغ پریشان۔ ہاتھ پاؤں میں سنسنی
اسمیں طاقت۔ نہ اسمیں سکت۔ جی ہے کہ آپ ہی آپ بتاشے کی طرح بیٹھا جاتا ہے
اٹھتے بیٹھتے آہیں منھ سے نکلی آتی ہیں۔ ہر چیز سے دل اچاٹ۔ ابھی بیٹھی تھی ابھی
اٹھ کھڑی ہوئی۔ اٹھی تو بے سبب۔ بیٹھی تو بلا وجہ۔ کبھی در میں کھڑی ہے کبھی صحن تک
جا کر پلٹی آتی ہے۔ ابھی پلنگ پر دولائی سے منھ لپیٹے پڑی ہے۔ ابھی گھبرا کے مسند پر اٹھ بیٹھی
کتابیں کھولتی ہے اور بے ترتیب کر دیتی ہے۔ گم صم آپ ہی آپ کھوئی گئی۔ خلوت سے
رغبت۔ تنہائی پسند۔ چار آدمیوں میں بیٹھنے سے نفرت۔ مزاج میں چڑچڑا پن۔ کھانے
پانی کی فکر۔ نہ سر پاؤں کی خبر۔ پائنچا اُن کھلا پڑا ہے۔ دوپٹہ جراسوں کی طرح سر سے
ڈھلکا تو پروا نہیں۔ ایک پائنچہ چڑھا ایک اترا ہے تو خبر نہیں۔ بال کنگھی سے ناآشنا۔ لب
پان کی دھڑی سے بے نمکی۔ دل کی الجھن ہر لحظہ ترقی پر۔ [illegible] کی باتیں آپ ہی آپ یاد آتی ہیں
امید و بیم۔ آس۔ اور یاس پر لحظہ دل کا کنول کھلتا اور مرجھاتا ہے۔ کبھی سوچتی ہے یا اللہ
یہ اسقدر تشویش کیوں ہے۔ فکر کس بات کی۔ ہٹا دیجئے۔ دور کر دو ان واہیات باتوں کو
مگر خیال کسی کے بس کا نہیں۔ پھر آجاتا ہے غنچہ خاطر کو مرجھا جاتا ہے۔ کبھی رقیہ کو بلوانے کو اٹھتی
ہے۔ مگر پھر سوچ سمجھ کر دل کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ ماماں کو ابھی پکارا ہے۔ جبتک وہ آئے
بھول گئی۔ بات ٹال دی۔ وارفتگی چھپانے کو بیکار فضول کام بتائی اور جلدی سے
رخصت کر دیتی ہے۔ اگر ایک وقت بدنامی کا خیال ہمت پست کرتا ہے تو دوسرے
وقت آزادی اور بیباکی پر جھک دیتی ہے۔ کبھی دقتوں پر الجھن ہوئی تو کبھی حل کے
شغلے پر رغبت۔

غرضکہ ان تمام مختلف و متضاد کیفیتون نے گوہر بیگم کو خود رفتہ اور بیہوش باختہ کر دیا ہے۔ عجب تذبذب مین جان پھنسی۔ نہ خوش ہی ہو سکتی ہے نہ مغموم۔ نہ خاموش ہو سکتی ہے نہ گویا۔ ننھی سی جان اور کشمکش کے یہ سامان۔ بڑی مصیبت یہ ہے کہ کہ اس سے بچنے کی تدبیر نہ خود ذہن مین آتی ہے نہ ہماری آپکی عقل مین سماتی۔ پس حضرات ناظرین اس گتھی کو رہنے دیجئے اور آگے تشریف لے چلئے۔ زمانہ خود ہی سلجھائے گا۔ ؎

رات دن چکر مین ہین سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا

باب اٹھارھوان

نیش عقرب نہ از پے کین است مقتضائے طبیعتش این است

فطرتی شریر۔ کرپز۔ فریبی اور جعلساز جب تک کسی معاملے مین شرارت اور چالاکی نہین کر لیتا۔ فریب اور مکر کا جال کسی پر نہین ڈال لیتا۔ اسکے دل کو چین ملتا ہے نہ طبیعت کو تسکین میسر آتی ہے۔ ہمارے مولوی شیخ کلن نے ابتک مصلحت سے اپنی بڑی کارستانیان ملتوی کر رکھی تھین ورنہ بشاشت الہی مواقع تو ابتدا ہی سے ایسے ملتے جاتے تھے کہ خوب جی کھول کے جیسا چاہتے فریب دیتے۔ اور اچھی طرح چھکے پنجے کرتے۔ مولوی نصیر الحق مین فریب دہی کی کمی نہ شیخ صاحب کی فطرت مین سستی۔ مگر بات یہ تھی۔ آدمی تھے تجربہ کار۔ گرگ صد بار اندیدہ جانتے تھے پہلے منھ چوستے گال کاٹنا اوچھا پن اور بیصبری ظاہر کرتا ہے۔ اندھا دھند اوٹکلپس نشانہ لگانا ایسے اور نئے شکاری کا کام ہے اگر شکار پاؤن کی چاپ سے بھڑک گیا ہمیشہ کیواسطے بھڑک کھا گیا۔ پرانے قادر انداز نشانہ باز کی طرح داؤن گھات لگا کر ایسا وار کرنا چاہیے کہ پٹ ہی نہ پڑے۔ مہری نے گوہر بیگم کے ہان سے آکر رات ہی کو شیخ صاحب سے ساری روداد حرف بحرف کہہ سنائی۔ شیخ صاحب کی اوڑھنی سمجھی کیواسطے اسقدر سامان کافی تھا۔ بات کی تہ کو پہونچ کے مطمئن ہو گئے۔ اب شکار کے پرون مین لاسا چپک چکا۔ صرف جین (؟) جیب تھیلے کے اندر رکھنی کسر باقی ہے۔ وہاتا دکھا کر کچا ہو گیا۔ اب کیا ہی پیٹ پاٹ کے جدھر چاہو جھکا لو۔ لکڑی کا گٹھا

ڈول ڈالا گیا جسطرح جی چاہے خرادلو۔ وقت آگیا۔ اب دیر کرنا نہ مناسب ہے
نہ جی بانستا ہو۔ آخر ضبط کی بھی کوئی حد ہو۔ بسم اللہ کرکے وار تو کر گزرو۔ نتیجہ نکلتے نکلتے بھی
تو کچھ زمانہ گزرے گا۔

صبح منھ اندھیرے شیخ صاحب مہری کے گھر پہونچے۔ جب تک انھون نے ایک
عادہ گلوری کا خون اٹھا ایک چلم تمباکو کو سلفہ کیا تب تک بی امیرن بھی منھ ہاتھ دھو
کنگھی چوٹی سے لیس ہو۔ لہنگا جھاڑ دوپٹہ شنیے سر سے اوڑھ۔ تمباکو کھا جوتیان
ادھر ادھر سے ڈھونڈھ لیس ہو گئین اور دونون دونالی بندوق کی طرح مولوی
کے مرغ عقل کے شکار کو چلے۔ راستے مین شیخ صاحب نے صرف اسقدر سمجھا دیا کہ
تمنے جو مجھ سے کہا ہے وہ سب حرف بحرف کہدینا آگے پھر ہم سمجھ لین گے۔ مگر دیکھو اتنا
اور حاشیہ چڑھانا اگر مین تو دیر تک بیٹھتی اچھی طرح سمجھلاتی۔ باتون مین لگاتی کہ مہاجن
سے اوگاہی لی تھی اسنے نالش کردی ہے۔ قرقی ڈگری کے مارے گھر بھاگ آئی اور
اب بھی جاتی ہون۔ کہین کوئی گھر بر آکے ہر بچارے ٹکے کی آبرو جائے آپ لوگونکی جوتیون
کے صدقے مین ہی اتر جائے۔ امیرن کو اسقدر اشارہ کافی تھا اسنے ایک خاص
انداز سے "اچھا مین سمجھی" کہکے شیخ کا اطمینان کردیا اور مولوی نصیر کے مکان تک
دونون چپ خاموش چلے گئے۔

شیخ صاحب اگرچہ آج بہت بڑی خوشخبری لائے تھے امید ہو سکتی تھی کہ دروازے
ہی سے باچھیں کھلی ہوئیں۔ مبارکباد کے شادیانے گاتے ہنستے مسکراتے ایک
شان سے قدم بڑھاتے آئیں گے۔ مگر نہین ہمارے شیخ صاحب کے چہرے سے کسیقدر
تشویش اور فکرمندی پیدا ہے۔ مولوی صاحب کی خدمت مین تسلیم بجا لا دور
بیٹھ گئے اور اہلا سہلا کو کرکے آہستہ کہا کہ مہری دروازے پر آئی ہیں کھڑی ہے
بلالو بی مہری آئین۔ تین تسلیمین کرکے لب فرش کھڑی ہوگئین۔ باتون کو چبا چبا
لینے جانے۔ گوہر بیگم کے کان تک حرف مطلب پہونچانے۔ رقیہ کے آٹے آنے اور
بالآخر گھیر گھار کے راہ پر لانے ڈگری کو خون سے جلد پلٹ آنے کا حال مفصل کہ سنایا
اور اسی لپیٹ مین گوہر بیگم کے حسن۔ شباب۔ اور بھولے پن کو نمک مرچ لگا کر
اس انداز سے کہ گزری کہ مولوی کے اشتیاق کو اور بھی اشتعال کہ ہوئی۔ منھ مین

پانی پھیر دیا۔ دل دھڑکنے لگا۔ ہوس نظارہ کی دبی آگ بھڑک اُٹھی اور ایک لمبی
سانس سے دل مسوس کر بولے کہ سامان تو خدا کی عنایت سے اچھے معلوم ہوتے
ہیں تمنے کام کیا۔ شیخ صاحب نے ایک لاپروائی کی ادا کے ساتھ کہا کہ مجھے تو خداوند
اپنی جانفشانیوں سے پہلے ہی یقین تھا اور اب تو معاملہ طے ہی سمجھئے۔ مگر آج سے
فکر یہ دامنگیر ہے کہ اب ایک زر خرید مکان میں سکونت چاہیے۔ کیا وجہ کہ
اس شہر کا عموماً قاعدہ ہے چھوٹتے ہی پوچھتے ہیں مکان بھی اپنا ہے یا کرایہ کا۔ اور ہاں
جن بیگم کا مہری نے ذکر کیا ہے انکو کسی ترکیب سے گانٹھے رہنا چاہئے۔ اسکی تدبیر میرے
ذہن میں ہے جسوقت ٹھیک ہو جائیگی گزارش کرونگا۔ مولوی صاحب نے مکان
کی خریداری کا جملہ سنکر کان کھڑے کئے۔ کیا وجہ کہ ہمسائیگی اور پڑوس کے سبب انکو
بہت کچھ اطمینان تھا۔ مگر شیخ تو یہ اندیشہ پہلے سے سمجھے بیٹھا تھا۔ اسنے خود ہی پیوند لگا دیا
انشاءاللہ یہی مکان آپکو دلوا دیا جائیگا۔ یہی نہ پیسے کی جگہ سوا پیسا۔ سو ایسے موقعوں پر
اسکا لحاظ کون کرتا ہے۔ اب خداوند ایک کام اور کرنا ہے۔ کچھ تھوڑا سا روپیہ بنک گھر
میں جمع کرنا۔ اور لوگوں کو چک دینا چاہئے تاکہ معلوم ہو بنک سے بھی معاملہ ہے
باقی ایک امر اور ہے آجتک غلام نے کچھ عرض نہیں کیا اسوجہ سے کہ نہیں معلوم خاطر
عاطر میں کیا گذرے۔ مگر اب موقع ہی ایسا آیا ہے اگر گنجائش ہوتی تو لوگوں کو فرا ایسی
تکلیف دیتا اور اب بھی جہانتک ہو سکتا ہے دو چار سے دریغ نہیں ہوتا۔ آخر یہ سب کچھ کسکا
یہی تو کسکا۔ وہ ہی تو کسکا۔ یعنے رقیہ بیگم صاحبہ کے ہاں پانچ چھ سو ہزار تک کا خرچ ہو
اور تدبیر وہ ہے کہ بٹہ ہی نہ پڑے گی۔ لے حضور وہ تو اپنے ساتھ سوا کر کے یہاں اس
مکان میں اُتار دینگی۔

شیخ کا بر محل جادو ایسی فرط مسرت کی حالت میں ایسا تو تھا نہیں کہ نہ چلتا۔ اسوقت
مولوی نصیر آپے ہی میں کب تھے۔ سب ہاں ہاں کر کے منظور کرتے چلے گئے۔ قصہ مختصر
دو ہی چار روز بعد ایر پھیر میں مکان دار سے سازش کر۔ کوئی تین ہزار کے مکان کا
دس پر تو نگر ادیا اور ڈھائی ہزار اپنا حق المحنت ہنسی خوشی اینٹھا۔ اور تین سو بنک
میں جمع کرا دیا اسکا چک مولوی صاحب سے جو لکھایا۔ اور ایک رقعہ پندرہ سو کا
اس جہانسے سے لکھایا کہ یہ ایک جگہ قبول کا تذکرہ کر کے دکھایا جائیگا۔ زیور بات تیوہار

کی خرید فروخت بھی جاری ہو۔ مضمون رقعہ یہ تھا۔

منکہ مولوی نعیم الحق حال وارد شہر ـــ محلہ ـــ کا ہوں۔ چونکہ
ایک جوڑی کڑہ طلائی مرصع کار قیمتی دو ہزار روپیہ معرفت جناب مولوی شیخ کلن صاحب
آج کی تاریخ خرید کی گئی اور منجملہ زر قیمت مذکور کے مبلغ پانسو نقد رائج الوقت
ادا کردئے گئے۔ بقیہ مبلغ ایکہزار پانسو کہ جسکے نصف سات سو پچاس ہوتے ہیں۔
عندالطلب شیخ صاحب موصوف کو ادا کئے جائیں گے

دستخط
نصیر الحق بقلم خاص

تین سو روپیہ شیخ صاحب نے تو چک پاتے ہی وصول کرلیا۔ اور آٹھ دس روپیہ لگا کر اپنی لڑکی کے کچھ دن کے بہلانے مولوی صاحب کی دعوت بھی کردی اور ایک پندرہ دن کے عرصہ میں رقم مندرجہ بالا کی بابت پندرہ سو کا بھی چک لکھا لیا اور رقیہ بیگم کی نذر کے نام سے پانچ سو کا ایک اور چک تحریر کرایا اور یاد کرادیا کہ ابھی دینا تو چاہیے نہیں مگر صرف مزید اطمینان کیواسطے چک ضرور رکھانا ہوگا تاکہ عمر دو د خوشدل کند کار ریش۔ بیگم صاحب اور بھی جی لگا کر کوشش کریں۔
مولوی صاحب بیچارے ضوابط قانون سے ناواقف مہذب اور ترقی یافتہ ملک کے آئین سے نابلد داؤں پیچ کیا جانیں جو کچھ کہا گیا آنکھ بند کرکے لکھتے چلے گئے۔ اب شیخ صاحب کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔ کوئی دن ایسا ہی کمبخت ہوتا ہوگا کہ دو چار مہاجن دس پانچ سوداگر در دولت پر دربانی کرتے نظر نہ آتے ہونگے۔ شیخ صاحب سے فصل خاص کا معاملہ سو روپیہ کی شال پانچسو روپیہ کو بک رہی ہے۔ ریل کی ٹکر کا گھوڑا جو پکالن کے نیلام میں بھی نہ بک سکا ڈھائی سو روپیہ پر مولوی صاحب کے اصطبل میں دانے گھاس کے خون کرنے کو آبندھا۔ گاڑیاں جو جلتے جلتے بالکل گھس پس کر سواری کے بجائے باورچیخانہ کے لائق رہ گئی تھیں جنکے لوہے کا ٹھکانا بجز لوہے پچھڑ دے والے کی جھولی کے کہیں نہ تھا دروازے پر مولوی صاحب کی سلامتی منا رہی ہیں۔ شہر کے تاجروں کا یہ حال کہ کہیں ذرا سی بو سونگھ پائیں

مزدوروں پر گٹھر کے گٹھر صندوق کے صندوق لدوائے لیے چلے آتے ہین صبح سے
شام تک قرقی کے پیادے کی طرح ڈٹے بیٹھے ہین۔ شاملے ٹلتے ہین نہ مارتے
مرتے ہین۔ انکے نزدیک دنیا مین انسان صرف خرید و فروخت کے لیے پیدا ہوا ہے
پھر ایسی جگہ جہان شیخ صاحب دائر سائر نفع مین آدھے کے شریک۔ داموں کا
اطمینان۔ خریدار ایسے بھولے کہ گران سے گران قیمت کو بھی ارزان سمجھنے والے
محلہ کیا شہر بھر مین دھوم مچ گئی۔ اس لپیٹ مین کبھی کبھی بی مہری کو بھی شیخ صاحب
اپنی طرف سے کچھ دلا دیا کرتے تھے۔ اور انھیں کی خاطر سے چھ کہار بھی باوجود تعدد
گاڑیوں اور گھوڑوں کے محض سلامتیان سنانے کو مقرر ہو گئے تھے۔ شیخ صاحب
نے اتنی مہربانی اور کی کہ دو چار نو دولتے ابن الوقت بھی وقتاً فوقتاً اپنے ہمراہ
لانا شروع کر دیے۔

مولوی صاحب چونکہ اوہی دھن مین تھے۔ تمام معاملات داخلی خارجی پر
ہمارے شیخ صاحب حاوی ہو گئے۔ ہر معاملہ مین آپ پیش پیش۔ ہر انتظام آپ کی
ذات سے وابستہ۔ ہر مشورہ مین شریک۔ المختصر مولوی تو ایک جزو معطل مرغ دست پرور
شیخ صاحب جس کل چاہین نچائین۔ لوح بنانے والے نے بھی باوجود اس قدر
محنت و مشقت اتنا ایچ پیچ نہ دیا ہوگا۔ جتنا ذات شریف نے گرفتار دام فریب
کر لیا تھا۔

باب اُنیسوان

زیر چیو اور ذرا اچھا لگے تم دیکھو تو — ناتوان کرتے ہین دل تھام کے آہین کیونکر

حضرات ناظرین شیخ کلن علیہ ما علیہ کی افکار معاملہ کو پورے دن گزرنے اور
خمیر تدابیر کو اچھی طرح اٹھنے دیجیے۔ اور آپ روبقار کے پیدا ہی دن سے واقعات
کا نظارہ شروع کیجیے۔ جب سے شوخ چنچل۔ شوقین۔ گردنیلی گوہر بیگم کے چلبلے تھے
سے دل مین الگن اور لگاوٹ کے مہین باریک نشتر محبت کا سرا اسطرح چبھ سے
لگ گیا تھا جسطرح نرم اور نازک اندام۔ کاغذی جلد والیوں کی انگلی مین سوئی
کی نوک چبھ جاتی ہے۔ بے چینی۔ بے صبری۔ بے قراری۔ بدحواسی۔ اور آسیبر

ذوق شوق کی چاشنی نے کام جل کے چور کی طرح سینہ سے سویدا ے دل کو چوری چوری نکال اسکی جگہ پارے کی ایک بوند ڈال دی تھی۔ ہوا و ہوس کا ورق الخیال دگرگون دکھا رہا تھا۔ اس تیزی سے الٹ پلٹ امید و یاس کا منتشر ولا اس سرعت سے تہ و بالا ہوتا آرزو اور تمنا کی سیر بین اسے پھرتی سے رنگ برنگی سمان دکھاتی تھی کہ بیچاری۔ بظاہر نادان۔ جیسے بالون کی طرح حیرت کے عالم مین ایسی کھوئی گئی تھی کہ اسکو کسی بات کی سدھ بدھ ہی نہ رہی۔ حرکات۔ سکنات۔ رفتار۔ گفتار۔ یہ سب اضطراری اور بے اختیاری ہوگئے تھے۔ نا تجربہ کاری نہ آگے قدم دھرنے نہ نسائیت کی حیا زبان سے اُف کرنے دیتی۔ کچھ کرے تو کیا اور کہے تو کس سے۔ اُمنگ اُبلتی تھی اگر اُبھرنے کو چھپے اور حیا سوو ضبط کھڑکیان دیکر بٹھائے۔ غرضکہ سوز نہانی بھس کی آگ کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہا تھا کہ مہری وعدے پر دوسرے دن ٹھیک چار بجے آہی پہونچی۔

مہری پر آنکھ پڑنا۔ اور نظر کے برقی فتیلے سے دل کی سرنگ اڑنا۔ اتنا تو معلوم ہوا ایک بجلی سی کوند گئی۔ اور باقی گوہر بیگم کو کچھ بھی یاد نہیں۔ کیا کہا کیا سنا اور کیا کیا۔ اب نہ یارائے نطق نہ طاقت ادراک۔ نہ اظہار جذبات کی سکت۔ نہ حواس خمسہ کا پتا۔ عالم تصویر طاری۔ چپ۔ سُن۔ بت بن کے رہ گئی۔

ادھر مہری اپنی طرف سناٹے مین کیا کہیے۔ اور کس ڈھرے پر لے چلیے۔ کبھی کل کے دعوے پر کمینہ کرتی اور کبھی بچپن کے تلون پر طرح طرح کے ہراس دل مین کہ اب رفیہ بیگم موجود نہیں۔ بلا سے کچھ بھی بولتین۔ آمنے سامنے جیب دو تصویرین کھڑی ہین "نہ ایما ہے نہ تقریر ہے"

مگر ایسی حالتین دیر تک تو رہتی نہیں۔ کچھ گوہر بیگم چیتین اور کچھ مہری سنبھلی۔ اسکی زبان سے بیساختہ عادتاً نکل گیا۔ جی تو سلامتی سے اچھا ہی"

گوہر بیگم پہلے تو کچھ جھپیں۔ مگر بعد کو نیچی نظرین کیے اپنی مٹھی مین جا بیٹھی۔ مہری بھی ساتھون ساتھ وہین۔ لہنگا جھاڑ چوکھٹ پر بیٹھ گئی۔ اب گوہر بیگم کا دل تو تقاضا کرتا ہے کسی طرح پھر وہی ذکر چھڑے۔ اور مہری انتظار مین ہے کہ کچھ پوچھین۔ ذرا سا اشارہ کرین تو کہ چلون۔ سبقت رو رہ ادھر اُدھر کی باتین کرتی ہے اس قدر صاف جڑ دی

کا اور بھی دل گھبرا تا جی اکتا تا ہی۔ آخر ضبط کا یارا نہ رہا اور خود ہی پوچھ بیٹھیں "کہو مہری تمہارے مولوی صاحب کے ہاں کا کیا حال ہی"

آپ جنیے اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ مہری کو اتنی شہ کافی تھی۔ وہ خود ہی سیکڑوں مضمون سوچے بیٹھی بند ہوتی بیٹھی تھی پوچھتے ہی کہنے لگی حضور کیا کہوں۔ قدرتی ہوا میں تو کل سے آئی ہی کہ اپنی آنکھوں قسم رات بھر نیند نہیں آئی دھڑکن کا حال کیا کہوں۔ طرح طرح کے ڈر۔ ساری رات گھبرا رہے کہ نیچے میں مر گئی تابعدار ٹھہری اور اس گھر سے تو میرا گوشت پوست دگوشت پوست پلا ہی۔ سات دفعہ مرکے جیوں تب بھی حق سے ادا نہوں۔

بیگم۔ اچھا یہ تو سب ہی مگر وہ کب تک ہمسائے میں رہیں گے۔

مہری۔ لے لو اب بھلا وہ کہیں جانیوالے ہیں۔ اب تو وہ یہیں اسی محلے میں گھر لیتی ہوں۔ خوشہ خدا جانے جھوٹ یا سچ انکا تو ارادہ ہی یہ مکان مول لے لیں۔

بیگم۔ سچ کہو۔

مہری۔ ہاں سنا تو ایسا ہی ہی۔

بیگم۔ خیر پھر اس سے ہمکو کیا۔

مہری۔ وہ مسکرا کے ہاں سچ ہی۔ محلے کی بات تھی میں نے کہدی۔ اور ہاں بیوی مجھ سے ایک خطا ہو گئی۔ ~~چاہے سر~~ موںڈو چاہو ذلیل کرو۔ گردن مارو۔

بیگم۔ کہو کہو کیا کہتی ہو۔

امیرن۔ اے کیا کہوں۔ وہی کل والی بات کی میں ہامی بھر آئی ہوں۔

بیگم۔ کیسی ہامی۔

مہری۔ کوٹھے پر چڑھنے کی بات۔

بیگم۔ ہاں خوب یاد آیا ذکر کرو مگر ہم کہتے ہیں بھئی کہیں کھل نہ جائے۔

مہری۔ لو گویا کوئی پہلے کوٹھے پر چڑھتا ہی؟ ایسیں ڈر کیا۔

بیگم۔ کہیں ابا جان سن لیں۔

مہری۔ اٹھئے کون کہنے جائیگا۔ میں جانوں یا تم۔ خدا مجھے اس دن کے لیے نہ رکھے۔ بیوی چڑھیا آپ منہ دیکھو۔ زمین کا پیوند ہوں۔ ایسیں بڑی بات ہی کیا ہی

سرشام چار پانچ بجے اپنے کوٹھے پر چلے گئے۔ ایک آدھ نظر دیکھ لیا بس۔

بیگم۔ اچھا بھئی یہ تو بہت ہے۔ مگر ہمارا جی ڈرتا ہے۔ اچھا ہوگا بھی جانے بھی دو۔ ہم سے نہ ہو سکے گا

مہری۔ اے میں کہتی ہوں تم کو کیا ہو گیا ہے کیسی باتیں کرتی ہو۔ صاحبزادی سلامتی سے اب تک بچپن کی خو نہیں گئی۔

بیگم۔ اچھا رقیہ کو بلوا لیں آپس میں صلاح کر لیں۔

مہری۔ خیر کیا مضائقہ مگر میں کہتی ہوں آپ نے اتنی ادنیٰ سی بات کا کیا کہنا۔

بیگم۔ پھر بھی اچھی بات ہے۔

مہری۔ تمہاری خوشی ہے۔

گوہر بیگم نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر دل میں کبھی سوچتی کہ آخر ان سے کہنے سے حاصل؟ ہوتیں تو مضائقہ نہ تھا۔ اور بلوا کے خواہ مخواہ شریک کرنا ضرور نہیں۔ کبھی ناتجربہ کاری پر لحاظ کر کے یہ قائم کرتی کہ اکیلے کچھ بن نہ پڑے گا۔ دل لگی کی بات بڑھ کر کچھ سے کچھ ہو جائے پھر اگر کوئی دن یہاں ہوں تو چھپانے میں بڑی دقت پڑے گی۔ غرضکہ بلا مصالح سوچے سمجھے سب پہلوؤں پر غور کئے زنانہ فطرت کے زور پیا سے ٹھان لی کہ رقیہ سے کچھ کرنا چاہیے۔ اتنے میں مہری نے داہنے بائیں دیکھ کر کہا اس وقت کوئی بھی نہیں کام بھی نہیں۔ چلو ذرا کوٹھے پر کھڑے ہو کر چل دیکھو۔ گوہر بیگم کا دل تو خود ہی چاہتا تھا مگر تنہائی کے سبب سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ رقیہ کو بغیر کسی ظاہری حیلے کے ایسی جلد بلوا بھی نہ سکتی تھی۔ عجب کشمکش و پیچ میں تھی۔ کسی قدر خاموشی جو ہوئی تو مہری کو بک بک کرنے سمجھانے بجھانے کی امید سے زیادہ مہلت ملی۔ آخر کو چکنی چپڑی باتوں کا روغن قاز ملکر گوہر بیگم کو راضی ہی کر لیا۔ بیٹی ذرا منہ تو دھو ڈالو طبیعت بشاش ہو جائے شام بھی ہونے کو آئی ہے۔ (دیگ کر پانی لائی۔ تسلہ لگایا) منہ دھلا کر کوٹھے پر لگا لے گئی۔ اب تاک جھانک کی نگہیں تجویز ہونے لگیں۔ ادھر سے دکھائی دیتا ہے ادھر سے یوں نظر آتا ہے۔ اس کونے سے صاف نظر آتا ہے۔ اس موکھے سے اتنا دکھائی دیتا ہے۔ غرضکہ تاکوں کے موقع جھانکیاں رندے گھر کھڑے ایسے نہیں تجویز کرتے جیسے ان دونوں نے قرار دیئے۔ ایک طرف تو یہ کارروائی ہو رہی ہے اور

مہری دل ہی دل میں دعا مانگتی جاتی ہی کہ کسی طرح مولوی صاحب سامنے نظر آئیں۔ منہ مانگی مراد ملے۔ کارگزاری پوری ہو۔

اتنے میں مولوی صاحب بھی وعدے کے مطابق زیر دیوار ہزار دل طرح کے خیالات کا ہجوم لیے آپہونچے۔

گوہر بیگم۔ اے مہری اے مہری ذرا دیکھ تو مردوا یہ کون ہی؟

مہری۔ لو یہی تو وہ ہین

اُدھر آپ جانیے مولوی صاحب رتون سے نظارہ جمال کیواسطے آغوش نظر کھولے ۔۔ نظر بچا پڑتا کہ از خود رفتہ ہوکر بالاخانہ پر آئین مین کچھ کہہ سن تو سکتے نہ تھے مگر دل پر ہاتھ رکھکر بیتابی اور بیچینی ضرور بتاتے کبھی آسمان کی طرف دیکھکر دعا مانگتے۔ غرضکہ آدمی سے وحشی سے بڑے بازو نظر آتے۔ گوہر بیگم لاکر شوخ بیباک تھی مگر تھی تو انیلی۔ پہلے تو اچانک نظر بھر کے دیکھ لیا۔ مگر پھر جو نظر نیچی کی تو کسی بوجھ سے اٹھا ہی نہ سکی۔ ساکت بے حس۔ جہان کی تہان کا ٹھرا ہی کھڑی کی کھڑی رہگئی۔ نیچی ہی نظر کئے مہری سے رودکھائی کے ساتھ بولی "بھئی مہری اب چلو"

مہری نے بھی دیکھا پہلے روز کا معاملہ ہی۔ اتنا کافی ہی۔ پھر دیکھین گے۔ راضی ہوگئی اور دونوں پیچھے چلے آئے۔ ایک طرف انکو تنہائی مین سوچنے خیالی لذت حاصل کرنے کی چاٹ۔ دوسری طرف مہری کو اپنی کامیابی پر خوشی۔ مولوی صاحب اور شیخ صاحب سے سرخروئی لینے کی جلدی۔ مگر اسپر بھی گوہر بیگم کا دل یہی چاہتا تھا کہ ایسی باتون کا تذکرہ جتنی دیر رہے غنیمت ہی۔ اسی مارے مہری کو رخصت کرنے مین دیر کرتی جاتی۔ اور گھبراتی بھی جاتی۔ آخر مہری ہی بولی۔

مہری۔ خدا سلامت رکھے دیر سے تمباکو نہین کھائی۔ سوئی یا چھین پھنی جاتی ہین۔ بے ادبانہ معاف۔ ایک پتی پان کی دیدیجے۔ بڑی دیر ہوئی کب کی آئی ہی

بیگم۔ اچھا لو۔ ہان دیر بھی ہوئی ہی۔ مگر دیکھو ہم سے کو کسی پر یہ بات کھلنے نہ پائے اب کل ہمارے تمھارے پھر بات چیت ہوگی۔

مہری تین تسلیمین کر کے دو قدم چلی ہی تھی کہ اسے وہ خط جو مولوی صاحب نے بڑے اشتیاق اور اہتمام سے دیا اور جسکی نسبت سمجھا دیا تھا کہ اگر مزاج

درست دیکھا موقع پایا تو دیدینا یاد آگیا۔ پھر پلٹ پڑی اور کہنے لگی۔

مہری۔ لے ہو تو باہ۔ کیا میری بری خو ہے۔ مولی اگر کوئی بات یاد ہی نہین رہتی۔ لے یہ بڑی چیز تو مین بھول ہی گئی۔ وظیفان سے اتر ہی گئی۔ لو یہ خط ہے ذری اسکو دیکھ لینا۔ ایک آدمی کا خط ہے۔

تحریر کے ذریعہ سے تخاطب شروع ہو جانا۔ اگرچہ ایک ایسی بے تکلفی کی ابتدا تھی جسکا وقت ابھی دور تھا۔ مگر موبوی تو اس وجہ سے مبادرت کر بیٹھے کہ انکو گوہر بیگم سے انس شروع ہوے بہت دن گزر چکے تھے اور کارروائیون کا اثر اس حد تک پہونچ جانے کو کامیابی کا ایک جز سمجھنے لگے تھے۔ اور گوہر بیگم نے کچھ تو بالجملہ طبیعت کی بیباکی۔ اور بڑی بات یہ کہ اکثر ان حال کی غلطی زنانہ خواہش سے جو ہر عورت مین مردون کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے خط لے لینا کچھ بڑی بات نہ خیال کیا۔ ہاتھ مین لیتے ہی فوراً لفافہ چاک کر لگی پڑھنے۔

خط

یار کا پاس نزاکت دلِ ناشاد ہے نالہ رکتا ہوا گھٹتی ہوئی فریاد ہے

عاشق صادق کے تہ دل سے نکلنے والا اور معشوقان تغافل شعار کے دلون مین اثر کرنے والا القاب قبول ہو۔ زیر سایہ دیوار دھوتی رمائی ہے یہی آخری تدبیر ہاتھ آئی ہے

پسیجے گا کبھی تو دل تمھارا ہمیشہ اپنی آنکھون کا دھوان ہے

تمنائین۔ آرزوئین اتنی ہین کہ اپنا ہی دل جانتا اور آپ ہی کے نکالنے سے نکل سکتی ہین۔ زیادہ اجازت کے بغیر کچھ کہہ نہین سکتا۔ اگر کوئی امر خلاف مزاج گزرا ہو تو معاف کیجیے گا۔ فقط

راقم

فراق یار مین دن زندگی کے اپنے بھرتے ہین
سسکتے ہین پڑے عاشق نہ جینے مین نہ مرتے ہین

گوہر بیگم پہلے تو چپ ہو رہی۔ مہری نے پوچھا مین جاؤن کہ کچھ کہو گی۔

گوہر بیگم۔ (تامل کر کے) مگر وہان نہ کہنا خط پہونچ گیا ہے۔

مہری۔ جو تم کہو کہہ دوں۔ پھر وہ اپنا خط مانگیں گے۔ لاؤ پھیر دوں۔ اب یہ سوچی کہ لفافہ تو چاک ہو گیا۔ اگر لفافہ دیتی ہوں تو حقیقت حال کا لفافہ کھلتا ہے دوسرے اپنے نامہ کی ایک ایسی بیش بہا عزیز اور دلچسپ تحریر جاتی ہے جو محبت و الفت کے پوشیدہ کتب خانے کا بیش بہا مہرہ ہو۔ دل نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ واپس دے۔ آخر یہی کہا کہ اچھا جاؤ۔ ہم پھر جواب دینگے۔

باب بیسواں

بات بڑھی

محمود غزنوی کو سومنات کی فتح۔ نیوٹن کو قانون کشش کی تحقیق۔ کلمبس کو امریکہ کے علم سے اسقدر مسرت نہ ہوئی ہوگی جسقدر آج بی امیرن کو۔ گو بیگم کے گھر سے ایک خاص ادا کے ساتھ مسکراتی سینہ اٹھائے۔ سر بلند کیے شانے اور سینہ دیرینہ دکھیتی جالتی۔ ہر ہر قدم پر داہنے بائیں کنکھیوں سے نظر ڈالتی اندگاتی لپک جھپک شیخ کلن کی طرف چلی جاتی اور دل میں وسعت ہمت کے مطابق انعام اکرام کا اندازہ کرتی جاتی ہیں۔ شیخ کلن بھی حسب وعدہ گھر پر حقے کی تازہ چلم سلگا رہے ہیں۔ امیرن نے پہونچتے ہی غیر معمولی کڑک کے ساتھ "بی گی" رسید کی اور ایک بے تکلفانہ تبسم سے مژدہ سنایا۔ وہ مارا!

شیخ صاحب اچھے تھے۔

اب بی مہری نے سارا کچا چٹھا شیخ صاحب کو سنانا شروع کیا۔ یہ بھی موقع موقع سے حاشیہ لگاتے گئے۔ یوں تو بہت سی باتیں ان دونوں میں ہوئیں مگر سب سے بڑی بات یہ طے ہوئی کہ رقیہ بیگم کو ضرور دوبارہ لکھنا چاہیے۔

کسیقدر رات زیادہ آگئی۔ اندھیرا بھی چھا گیا۔ مہری کو لیکے مولوی صاحب کے در دولت پر شیخ صاحب پہونچ گئے۔ اور قبل اسکے کہ مہری زبان کھولے شیخ صاحب نے مبارکباد دیکر یہ جملہ بھی چست کر دیا کہ در اصل رقیہ بیگم صاحب کی بدولت یہ کام یوں سہل میں بن پڑا۔ انکے دل میں اللہ نے حضور کی طرف سے ایسی کچھ نیکی ڈال دی ہو کہ بیان سے باہر ہے۔ اقبال کی بات ہے۔ میں سچ عرض کروں

مجھکو تو آج یقین کامل ہو گیا یہ معاملہ ہو کے رہیگا۔ اب اگر میری گزارش
پذیرا ہو تو خداوند کچھ تحفہ انکو بھی بھیجدینا چاہیے۔

آج کی شب ایسی نہ تھی کہ ہمارے مولوی صاحب کچھ بھی غور کرتے۔ اگر قارون
کا خزانہ طلب کیا جاتا تب بھی لٹا دینے مین تامل نہ ہوتا۔ پانچسو روپیہ مین پچیس
مہری کو سو شیخ صاحب کو پچہتر انکی ننھی لڑکی کے کڑون کیواسطے اور رقیہ بیگم
کے لیے تین سو ہیرے کی انگوٹھی کے واسطے دیدیے گئے۔

واپسی کے وقت شیخ صاحب نے بیس تو مولوی صاحب کی طرف سے اور پانچ
اپنی طرف سے مہری کو حوالہ کئے۔ باقی ایک سنار کے ہان جو چوری کا مال گلا کے
چاندی سونے کی ابتدائی حالت پر پہونچاتا تھا۔ اور پیتل کی اشرفی تانبے کے روپے
پر بہت اچھا ملمع کرتا اور شیخ صاحب کا پرانا لنگوٹیا یار تھا۔ بد امانت مین جمع
کر دیے گئے

اب مہری کی دوسرے دن کی کارگزاری سنئے کہ بلا اطلاع گوہر بیگم کے آپ
رقیہ بیگم کے ہان جا پہونچین۔ جو کچھ ادھر گزرا تھا سب آہستہ آہستہ کہہ گزرین۔ آخر
مین فرمائش کی۔ اگر آج آپ بھی تشریف لائین تو بہت اچھی بات ہو۔

ایسے موقع پر رقیہ کا آمادہ ہو جانا کوئی تعجب کا امر نہ تھا۔ مہری ادھر رخصت
ہوئی ادھر انھون نے ڈولی منگا گوہر بیگم کے گھر کا راستہ لیا۔ یہان مہری پہلے سے
پہونچکر کہہ چکی تھی کہ مین رقیہ بیگم کو آپ کی طرف سے بلا آئی ہون۔

وہ درگہی کا مارا تشنہ لب آب سرور مصیبت زدہ۔ غریب الوطن اپنے عزیز
کو ڈھونڈھتا ہوا بڑھا عصا پاکر کیا خوش ہوگا جو آج گوہر بیگم اپنی منہ بولی بہن رقیہ بیگم
کو دیکھکر بیسر وپا ہوئی آج کا دیر تک بغلگیر رہنا ایک ایسی گرم جوشی کا پتا دیتا تھا جسمین
محبت [illegible] شوق [illegible] بے تکلفی۔ شاطر داری سب کچھ تھا وہ لاچاری [illegible] استعانت۔ مجبوری
مین استمداد بھی شامل تھی۔ گوہر بیگم اگرچہ [illegible] باتین کرتی جاتی تھی
مگر بار بار رقیہ بیگم کی طرف اسی نظر سے دیکھتی جاتی تھی جیسے بستر علالت پر
پڑا مریض اپنا حال کسی حکیم حاذق سے کہتے ہوئے اسکے بشرے اسکی چشم و ابرو
کو دیکھتا اور بڑی امید کے ساتھ اسکے لبون کو تکتا جاتا ہے۔

رقیہ ایسی سادہ دلی سے اصل مرض کی صحیح تشخیص نہ کر سکتی تھی اور نہ اسکو گوہر بیگم کی طرف سے ایسا گمان تھا۔ وہ سارے معاملے کو ایک دلگی اور مولویصاحب کا خبط سمجھتی تھی۔ یہ سب سن پائینی کو گھسیٹ تھاپ لگائی اور ادھے پر یہ غزل گنگنانا شروع کی۔

غزل

آنے نہ دے مری جان کسی پر جو آئے دل — کچھ مشغلہ ضرور ہے آخر برائے دل
آیا کسی طرح سے نہ فرقت میں جب قرار — لیتا رہا میں ہاتھ کے نیچے دبائے دل
سوراخ پڑ گئے کہ لہو ہو کے بہ گیا — جو کچھ ہوا بجا تھا یہی تھی سزائے دل
گستاخیاں ہیں بے ادبی کے کلام میں — کیونکر کہوں زبان سے جو کچھ ہے مدعائے دل
ٹپکا اسے پڑا ہو بری طرح چاہ کا — ایسا نہو کہ جان بھی اکدن گنوائے دل
پروردگار صدمے جو مقسوم میں یہ تھے — لوہے کا اک تو دیا ہوتا بجائے دل
اے عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں — تو ہائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل
اشکوں کے ساتھ وہ بھی لہو ہو کے بہ گیا — لے رشید دیکھ لو یہ ہوئی انتہائے دل

گوہر بیگم اس لاپروائی پر فی الجملہ مکدر ہوئی مگر بعد کو بعض اشعار کے مضمون نے جی بہلا لیا اور تھوڑی دیر سکوت کر کے بولی "تمکو تو بس اپنے چیلے بن سے کام ہے آئی ہو تو کچھ ادھر اُدھر کی باتیں کرو۔ بس بیٹھیں باجا اور لگیں دماغ پریشان کرنے۔ سچ کسی کی ایسی کھلنڈری طبیعت ہو۔ موئی کسی بات کا قرینہ نہیں"

رقیہ بیگم۔ اچھا لو۔ (باجا سامنے سے ہٹا کر)

گوہر بیگم۔ کہو اب کیا کہتی ہو۔

رقیہ۔ کہنا کیا۔ دل لگی تو رہی۔ مولوی تو مجھے کچھ سڑی معلوم ہوتے ہیں۔ بناؤ اور خوب بناؤ۔ واللہ۔ دلگی تو خوب ہے۔

گوہر بیگم (مسکرا کر) چلو ہٹو بھی۔

مہری۔ اے دو گھڑی دلگی ہی سہی۔

گوہر بیگم۔ سچ تو کہتی ہو۔ ایسا بھولا آدمی کوئی کاہے کو ہوگا۔ اسے میں کہتی ہوں یہ باہر والے کیسے احمق ہوتے ہیں۔

رقیہ ۔ مردوے ایسے ہی بھولے ہوتے ہیں ۔ ہمارے مردوے کون ایسے سینے ہوتے ہیں مگر نہیں یہ بات ہے تو بانکی الوکی و دم خاطر کا زردی پیل نہ کسی بات کا سلیقہ ۔ بس شہر میں آگئے اور بھی بوکھل ہو جاتے ہیں ۔ اچھا ہم اب بتائیں مردوے ایسے پتنگ ۔ اور پھر جائیں تو کسی دن بلا کر خوب بتاؤ گے ہاں مولوی ہمارا کانپ ۔ ٹھٹھرا ۔ تو ہیں ۔

گوہر بیگم کے چہرے پر ہلکی سی جھلک لہو کی آئی ۔ اور آہستہ سے لمبی سانس لی کسی جذبے کو ضبط کر کے بولی اچھا کیا مضائقہ ،،

مہری بات کے پہلو ان ناتجربہ کاروں کے منصوبوں کو بڑے شوق سے حافظے کے بٹوے میں تمباکو اور چھالیا کی جگہ رکھتی جاتی اور مسکراتی جاتی تھی بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچی کہ رقیہ نے گلوری کھا کر پان اٹھایا اور مہری سے کہا انکی طرف سے مزاج پوچھ دینا اور کہنا آپ کے حکم کو بجا دیا ۔ اب تو آپ راضی ہیں ۔

مہری ۔ بہت اچھا اب آج کیا ارادہ ہے وہ بچارے تو آج بھی اسیوقت ادھر آئیں گے ۔

عورت کیسی ہی کیوں نہ ہو مگر افشائے حالات کی بڑی ہی حریص ہوتی ہے بعض دفعہ تو اس صفت کا ایسا جوش ہوتا ہے کہ کسی طرح اونچ نیچ کا دھیان بھی نہیں رہتا ۔ رقیہ کو اگر تماشا دیکھنے اور گوہر بیگم کے عاشق کی زیارت کا شوق ہو رہا تو کوئی غیر معمولی بات نہ تھی جسوقت مہری کی زبان سے مولوی نصیر کے ادھر آنے کی خبر سنی بلا تامل بول اٹھی ،، ہم بھی آج دیکھیں گے ۔ کیسے ہیں ،، چلیے مہری کو اور بھی اطمینان ہو گیا اب اسکو جلدی پڑی کہ مرد ہستا کے کارگزاری جتائیے اتنے میں گوہر بیگم کو خط یاد آ گیا اور رقیہ سے کہنے لگی ۔ اسے لو ایک چیز دکھانا تو ہم تمکو بھول ہی گئے ۔ دیکھو انہیں کیا لکھا ہے یہ کہکے مولوی صاحب کا خط نکال کر انکو دیا ۔

رقیہ (خط پڑھکر) پھر تمنے کیا جواب لکھا ۔

گوہر بیگم ۔ کچھ بھی نہیں ۔ اسکا جواب ہی کیا بھئی میرا جی تو نہیں چاہتا جو تم کہو تو لکھیں

مہری ۔ بیوی ابھی دو حرف لکھ دو ۔ جاتی ہوں ۔ دیدوں ۔
رقیہ ۔ نہیں ابھی نہیں ۔ ذرا سوچ سمجھ کے لکھینگی ۔ جلدی کیا ہے ۔ کیا کہیں وہ بھاگے جاتے ہیں ۔
مہری ۔ نوج ۔ خدا نہ کرے ۔ اچھا جب جی چاہے لکھ دینا ۔ میں تو سب کچھ کہہ دونگی بیگم لے اب مجھے آجازت (اجازت) ہو نا ۔ آج بڑی بیگم (بیگم) کے یہاں پھر جانا ہے وہ میری سرکار ہے آج زلاب (جلاب) تھا ۔ جاؤنگی گلوریاں لیکر ۔ کیا کہوں وہ بڑی سی ہوتی جاتی ہے ۔ لے بیٹی تم سلامت رہو ۔ ابھی میں بزار (بازار) سے پان لائے دیتی ہوں ایک پانچ گلوریاں بنا دو لیتی جاؤں ۔
گوہر بیگم ۔ کیا یہاں پان نہیں ۔ موئی کون ایسی بڑی بات ہے ۔ ابھی بنائے دیتے ہیں۔

گوہر بیگم کو یوں تو اپنی ہر چیز کا غرور تھا مگر پان لگانے میں خود کو لاثانی سمجھتی تھی اور اسی کمال کے اظہار کی خاطر سے گلوریوں کا سدبرت اسکی سرکار سے بٹتا رہتا تھا ۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ جن لوگوں کو خوش قسمتی سے اسکے ہاتھ کی گلوری کھانیکا اتفاق ہوا ہے ۔ وہ متفق اللفظ اس کمال کی تعریف میں رطب اللسان عذب البیان ہیں کہ ایسی مزہ دار گلوری تو مدت العمر نہ کھائی ہوگی ۔ غرضکہ اسنے پاندان کھول لپ جھپ پانوں کا پانی پونچھ پونچھ دس گیارہ گلوریاں تیار کر کوری ہانڈی کیوڑے سے بسا مہری کے حوالہ کی ۔ اس قطامہ نے چٹ چٹ دس بیس بلائیں لے ہزاروں دعائیں دے ۔ آنچل میں لپیٹ چلتا دھندا کیا ۔

حضرات ناظرین ! آپ سمجھے یہ گلوریاں کہاں پہونچیں ۔ اور بڑی بیگم کون تھیں ۔ وہی ہمارے مولوی نصیر جنکا تنقیہ دماغ طبیب عشق نے جلاب سے کر رکھا تھا ۔ وہ سب گلوریاں بھی جو بڑی اشتیاق انگیز تمہید کے بعد پیش کر دیگئیں ۔ ہاں اتنا تصرف البتہ ہوا تھا کہ شیخ کلن نے ایک زبردستی زہر مار کر لی تھی جسکے معاوضہ میں بروقت تذکرہ گلوریوں کی بیحد تعریف و توصیف کر کے رہوار اشتیاق کو ایک اور تازیانہ رسید کیا ۔

باب اکیسواں
دل لگی

عورت دنیا کی کسی بات کو اس عجلت اور آسانی سے یقین نہین کرتی جسقدر
اپنے ساتھ محبت کرنے کی خودبینی اور خود پسندی پر

چون گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است

مادہ تو موجود ہی رہتی ہے۔ ادھر محبت کی صدا کان مین پڑی ادھر یقین نے ہاتھوں ہاتھ اسکو لیا۔ تساہل نے حقیقت حال پر پردہ ڈالا اور یہ نیک بخت قرار واقعی شکار ہو گئین۔ گوہر بیگم بھی اس کلیے سے مستثنےٰ نہ تھی۔ قبل اسکے کہ نصیر کی صورت۔ شکل۔ مزاج۔ عادات۔ حالت۔ حیثیت پر کسی جانب کچھ بھی خیال کرے اسنے صرف اپنے چاہنے والے کو اندھا دھند چاہنا شروع کر دیا۔ رضاعت اور بچگی کے زمانے مین کسی کھلونے اور گڑیا کو اتنا عزیز و پیارا نہ رکھا ہوگا جتنا اب اسنے اپنے عاشق کے دو حرفی پرزے کو پوجنا شروع کیا۔ دن مین سیکڑوں دفعہ کھولنا اور ہر ہر حرف سے ہزار ہزار طرح کی لذت اٹھانا اور پھر قلمدان کے خانے مین چھپانا۔ کبھی کسی کتاب مین چھپانا۔ کبھی سرہانے کے تکیے کے غلاف مین ملفوظ کرنا۔ کبھی گوٹہ دوپٹے کے آنچل مین باندھنا۔ کبھی کرتے مین لپیٹ کر بقچے مین رکھ لینا۔ ہر وقت کا مشغلہ ہو گیا۔

لکھنے پڑھنے مین بھی حاضر جواب۔ منہ پھٹ۔ گستاخ مزاج۔ تیز طبع تو تھی ہی رقیہ بیگم کے مشورے سے جواب خط لکھنے پر آمادہ ہو گئی۔ اور ایک دن مہری کے ہاتھ یہ رقعہ بھیج بھی دیا۔

جواب خط

حضرت۔ سلامت۔ چہ خوش۔ نخشکہ۔ جان نہ پہچان۔ بڑی خالہ سلام۔ کسی کے حال سے کسی کو کیا بحث۔ رقعہ کا مطلب سمجھ مین نہ آیا۔ آخر یہ احسان کسکو جتایا۔ ایسا اور بھلا کسکو منظور ہو۔ ہنوز دلی دور ہے۔ یہان ہر طرح سے مجبوری و معذوری ہے۔ یہ بڑا منہ ہے چھوٹی معلوم نہین ہوتی۔ فقط دعا فقط

فرد

عشق کی باتین بیسوا جانین — ہم بہو بیٹیان یہ کیا جانین

بھلے ادھر سے جواب کا جانا اور بلا تکلف سلام و پیام خط کتابت کا در وا ہ

یہ معنی چونک کھل جانا۔ رفتہ رفتہ تحریر میں بے تکلفی یہاں تک بڑھی کہ اب ملنے کی آرزو۔ دیدار کی تمنا کھلے کھلے پیش ہونے لگی

آخر رقیہ بیگم کی ماما مہری کی اشتعال انگیزی۔ مولوی صاحب کے اصرار اور سب سے بڑی بات یہ کہ گوہر بیگم کی بیباکی اور دل کی امنگ نے ایک دن مقرر ہی کرا کے چھوڑا۔

یوں تو گوہر بیگم تقریبات شادی و غمی میں اعزا و اقربا کے ہاں بہت کم آتی جاتی تھیں۔ مگر بچپن سے حضرت عباس کی درگاہ پر تعزیہ جانے۔ محرم میں دو ایک زنانہ مجلسوں میں شرکت کرنے کا اتفاق ضرور ہوتا تھا۔ اور تھیٹر تو جب تک ماں جیتی رہیں اکثر جاتی تھیں۔ بلکہ خدا مغفرت کرے انکو تو ایسا شوق تھا کہ گوہر بیگم کے ابا جان بیٹی کی شاعری و زبان کی خرابی کے سبب سے بہتیرے اظہار نفرت ظاہر کرتے مگر مجبوراً انکو بھی بیویوں کے ہمراہ کبھی پہنچاتا۔ زنانہ درجے تک پہونچانا۔ اور پھر ڈراپ سین کے وقفے میں دروازے پر حاضر باشی کرنا پڑتا تھا ایک آدھ بار گھوڑ دوڑ جانے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ مگر یہ آزادی صرف اسی وقت تک رہی تھی جب تک مادر شفقہ زندہ تھیں۔ انکے انتقال کے بعد سے اسطرح کی تفریح موقوف ہو گئی تھی۔ ہاں اسکا اثر اتنا ضرور باقی رہ گیا تھا کہ سیر تماشے یا ضرورت کے وقت اصرار آ کھڑے ہونے میں وہ جھجک باقی نہ رہی تھی جو ایک باحیا نوجوان۔ دوشیزہ کنواری پردہ دار میں ہونے کی امید کیجا سکتی تھی۔ اب صرف اگر کسر تھی تو اسی قدر کہ کون صورت ایسی تجویز کیجائے کہ بعافیت و رازداری تمام مولوی سے ملیں۔ انکو جی بھر کے احمق بنا سکیں۔

دنیا کا کوئی کام ملتوی نہیں رہ سکتا۔ بہت کم ایسے کام ہونگے جو باوجود پوری فکر و تدبیر کے بھی پورے نہ ہوسکے ہوں۔ انسان میں ہمت۔ ارادہ۔ توجہ۔ انہماک اور دھن چاہئے۔ پھر اچھے برے کام سب ہی انجام پا جاتے ہیں چنانچہ چند ہی روز کی فکر میں سب منصوبے ٹھیک ہو گئے۔ اور تو چندی کو ملنا بھی قرار پا گیا۔

باب بائیسواں

بقیہ

جس طرح بڑہاپے مین سب کے بال گر جاتے - نقرئی رنگ کی ترقی سے چندیا کا
تانبا کھل جاتا ہی - اسی طرح پرانے شہرون مین جا بجا ویرانون - کھنڈرون - مزبلون
کے ہاتھون بال نمود اپنی صفا چٹ دکھاتا ہی چنانچہ ہمارا شہر بھی غدر کے بعد سے
اسی عارضے مین مبتلا ہی - چارون طرف گنجان آبادی اور بیچ مین اوس کھیت
کیطرح صفا چٹ میدان خلیج ویرانگی ہی کہ آبادی کے اندر بے تکان ناف شہر تک
بڑھتا اور داہنے بائین آبادی چھوڑتا چلا آتا ہی - ایک طرف آدمیون کا جنگل اور
اسی کے دامن سے تباکو اور گوبھی کے کھیت لہلہاتے ہین - جوار کے بھٹے مجنون
کی طرح جٹو سر مین وبائے یاد حق مین مستغرق ہین - کہین شیر بالین سبا قرخانیان
حالت مسرودہ مین رونق زراعت - کہین باجرے کا ملیدہ جیننیہ صورت مین جو نکو
گرمانے والا - کہین خشکے کا کھیت مخمل سبز کا لطف دکھاتا ہی - کہین گلاب گنڈیرونکا
حمل عذرا سی مجبتی کا پتا بتاتا - افیونی بھائیون کو للچاتا - غرضکہ جسطرح نیک اندر بد
بد اندر نیک - اسی طرح آبادی مین ویرانہ - ویرانے مین آبادی تکھوری بٹی ہوئی ہی
اسی طرح کے میدان مین ایک پرانی شاہی زمانے کی عمارت دو منزلہ غیر محاط گرد
چارون طرف کھلا صحن - بلکہ وتنہا اسطرح واقع ہی جیسے کوئی مسافر ساتھیون سے
چھوٹ کر راہ بھول کر حیران و ششدر کھڑا رہ گیا ہو - زمانہ کی دست برد سے رنگ آمیزی
ہوکے استر چکی - شور بختی دیوارون کو ٹوٹی کی جڑ مین بٹھا چکی - فلک تفرقہ پرداز
نے گوشے اور چوکے جدا کردیے - دیوارین دل عاشق کی طرح شق - سفیدی اور
استرکاری کا نام فوق کہین - کائی زنگ ہی رنگ ہوا ہی اٹھا ہوا کھمبہ اور کنیسے کا کھیت ہرا
ہر دم نئے بند شام کا عالم ہو کا مقام - گرد و نواح آسیب و دیو بھی آتے - ایک اونچا پیپل
کنوئین کے قریب اور کچھ ادہر ادہر بے سیاق چاندنی رسانی کے پرانے درخت
روشین مٹی ہوئین - اگر ... اور رانگا جھولا سیس بولاتی جولی کے قد آدم در
کمائین کہین اونچی کہین نیچی بڑھاپے کے مسوڑھے آمد و رفت - اگری ہوئی جس سے
معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے مین شاید کسی نے چمن بنوانے کا سامان کیا ہو گا - ایک جانب
ایک سڑک جو شام کے آتے ہی غیر نافذہ ہو جاتی ہی - دوسری جانب ذرا ہٹ کے
قبرستان ہے جو جنگلی بیریون کے سایے تازہ مردون کی مانداری سے شب کو

دہشت دلانیوالا ہوجاتا ہے۔ تیسری جانب بہت عمیق نالا ہے جسکو اگلے زمانے
کے واقعات قتل وخون اور حال کی لوٹ کھسوٹ کی وارداتون نے فی الجملہ
ہیبتناک بنا رکھا ہے۔ یہ چوتھی سمت صرف ایسی ہے جسکا تھوڑا آبادی سے ملا
ہے مگر وہی غریب غربا جو محنت مزدوری اور مفلسی کے ہاتھون اس عمارت
کی طرف رخ کرنے کی بھی مہلت نہین پاتے جیتے ہین۔

اس مکان کے قریب ہی ایک جھونپڑی کے نیچے ایک پرانا خبیث سیہ فام
سو کھا۔ بجز پچو کیدار اگر دون میچنا بل بی رہا ہے ظاہر مین تو بعد اق
شکستہ مسجد نشست ہو جو صرف مکان کی نگرانی اسکے سپرد معلوم ہوتی ہے مگر
نہین اور بھی گفتنی و ناگفتنی خدمتین اسنے اپنے ذمہ کر لی ہین۔ مثلاً جوا
کھلوانا۔ چورون کو وقت بے وقت پناہ دینا۔ مال مسروقہ رکھنا۔ غرضکہ تمام
تعزیرات ہند کی خلاف ورزیون مین معین ہونا۔ اور وہ بھی صرف چار آنے کی خاطر۔
اور دو دون کے باغ سے جاکر جو عیش باغ ہے سندہ بیکے
سے بچوار۔ اور اس مکان رجو کیا ہے شیخ کلن مختار ناواقف ہون مگر
کبھی کبھی شیخ صاحب کی پریوی کونسل کا اجلاس یہان بھی ہوجاتا تھا۔ بارہا انکو
بھی بدلو چوکیدار نے تیل کی پوریون اور اندہون کی دعوت دی ہے۔ اسکا لڑکا ریل
کے مال گودام مین جب اسی چراتے پکڑا گیا ہے تو شیخ جی ہی نے سخت جانفشانی
اور تمام لیاقت مختاری صرف کرکے سزا کم کرائی ہے۔ نام پر اگرچہ ظاہری حق
کوئی نہین مگر جرائم فوجداری کی اجازت انھین سے۔ مثال نمبر ایک ہی سنے دی ہے۔
معاہدہ ہوگیا ہے جتنے جرائم وہان سرزد ہونگے انکے مجرمون کے مقدمات مین آپ
بلا اجرت کام کیا کرینگے۔ ان تمام باتون سے ناظرین قیاس فرما سکتے ہین کہ بدلو
اور شیخ کلن مین کیا کیا مراسم یا نذر نیاز نہ ہونگے۔

شیخ صاحب ہنوز سڑک ہی پر تھے کہ بدلو نے بیل ڈبی کی آہٹ لگا کر اٹھ کھڑے ہو
بلیان ہاتھ اٹھا کر بولے مجرو بندگی۔

شیخ صاحب نے چھوٹتے ہی حکم دیا "چلو خدا اوپر کا کمرہ کھولو۔ زینہ کھولنا
شیخ صاحب کو اوپر لیجانا۔ انکا ادھر ادھر کے کمرون کی سرسری دیکھ بھال کرنا۔

گوشے کا ایک کمرہ مخصوص کر دینا - اور جو کچھ مت سے آگرہ آنا ضرورت چند منٹ کا کام تھا - بدلو کو حسب دستور ہدایت کی کہ ابھی ابھی ایک مہری امیرن نام آتی ہو سبز دوپٹہ اور سرخ لہنگا ہوگا - اسکو راستہ اور کمرہ دکھا دینا وہ بس - جس روز ضرورت ہوگی ہم پہلے سے خبر دینگے - شیخ صاحب آدھر گئے تھوڑی دیر میں مہری جو حویلی کی آڑ میں کنوئیں کے پاس کھڑی تھی آئی - بدلو راہ اور زینہ دکھا - اوپر لے گیا - دروازے کھولے - سب کمرے دکھائے - جو کمرہ شیخ صاحب نے تجویز کیا تھا بتایا - اور زینے کے پاس جو چھوٹی سی کوٹھری تھی اور جسمیں ایک مہری اور مہری بن کچھ کچھ تری تھی اشارے سے بتائی اور مہری کو رخصت کر دیا -

باب تیئیسواں

جو نہ تھی وہم و گمان میں کبھی وہ بات ہوئی

انسان کا دل بیچ پیچ سے کچھ کم نہیں جتنی ضد پوری کرو اتنی ہی ہٹ کرتا جتنا کہنا مانو اتنا ہی مچلتا ہے - اسکی خواہش کی چنگاری پر جتنی کامیابی کے چھینٹے پڑتے ہیں اتنا ہی اونچا شعلہ بھڑکتا ہے - امید سے آرزو آرزو سے تمنا - تمنا سے ہوس - ہوس سے حرص پیدا ہوتی ہے - آخر سے زیادہ زیادہ سے شعلہ شعلے سے شعلہ جوالہ ہو جاتا ہے -

ایک زمانہ تھا مولوی نصیر دور ہی سے آتش حسن سے آنکھیں سینکنا مراد دلی پا جانا سمجھے تھے - یا آج وعدہ ملاقات سے پہر دن پہلے مکان میں آ بیٹھے - انتظار میں پڑے بے چین تلملا رہے ہیں - ایک ایک منٹ ایک ایک سال ایک ایک گھنٹہ ایک ایک قرن معلوم ہوتا ہے - وعدہ تو ایک دو بجے دن کا ہے - مگر آپ کسی امید پر نو ہی بجے سے زحمت انتظار کھینچ رہے ہیں - ابھی بیٹھے کہ اٹھ بیٹھے - بیٹھے تھے کہ کھڑے ہو گئے - کھڑے تھے کہ ٹہلنے ادھر ادھر دیکھنے لگے - ایکے کبھی کی گھر گھراہٹ میں کہار دن کی ہوں ہاں سنائی دیتی - گھوڑے کی ٹاپوں میں مہری کی آہٹ پائی جاتی - ہر طرف دیکھتے جاتے اور دل مسوس کے چپ چاپ بیٹھ رہتے - کبھی اندیشہ ہو کہ کہیں ہمتے آتے رک نہ گئی ہوں

اور یہ شعر پڑھتے ہیں

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئے   اُٹھ ہی بیٹھے بی نہ یاں تو ہم ہی جانبر

حضرات ناظرین مولوی صاحب کو مضطرب الحالت کا مطالعہ کرنے دیجیے اب ذرا ادھر گوہر بیگم کی کارگزاری دیکھیے۔ ان نیک بخت نے نذر آزادی علامت زیارت میں ملفوظ کرایا امام ضامن بنا بازو سے ہمت پر باندھا تا عاقبت اندیشی ہاری ہوئی۔ ابا جان کے انیونی خدمتگار میاں رمضانی پالکی کے ہمراہ ہوئے اور صاحبزادی رقیہ سمیت حضرت عباس کی درگاہ چل کھڑی ہوئیں۔ نوچندی اور وہ بھی رجب کی۔ عورتوں کا جنگل۔ سواریوں کی کثرت۔ کون کسکو دیکھتا اور کسکو پہچانتا ہو۔ کہار پالکی ہٹا کنارے جا بیٹھے۔ میاں رمضانی الگ جوڑے کی فکر میں پڑے اور ماہیرن جو کچھ دیر پہلے ہی سے آگئی تھیں۔ ہنگا چر کانی فوراً داخل زنانہ ہوئیں۔ ادھر رقیہ اور گوہر کی چار آنکھیں مہری کی تلاش میں۔ ادھر مہری انکے تجسس میں تھوڑی ہی دیر میں ایک نے دوسرے کو ڈھونڈھ لیا لپک کے ماہیرن نے چٹاچٹ بلائیں لیں۔ لاکھوں دعائیں دیں اور جلدی جلدی پنکھا جھلنے لگی۔ گوہر بیگم ستائیں چہرے کا پسینہ خشک ہوا گلاب سے شبنم آلودی تو اسکی نرگس چشم رقیہ کی طرف پھری۔ اسنے مہری کو بائیں آنکھ سے کچھ اشارہ کیا وہ غائب ہوئی۔

تھوڑے ہی وقفہ کے بعد ڈولی آئی۔ جھٹ پٹ پردہ پڑا۔ دونوں سوار ہوئیں۔ مہری جلو میں چلیں۔ فراخ سڑکیں۔ تنگ گلیاں کوچے طے کرتی منزل مقصود پر پہونچیں۔

مولوی صاحب تو آپ جانیے ہمہ تن چشم و گوش ہو رہے تھے۔ دور سے دیکھتے ہی بدحواس ہوگئے۔ دل بانسوں اچھلنے لگا جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ اب سوچتے ہیں خواب ہے یا بیداری۔ بھلا وہ اور سر دب ہی یا معشوقہ کی سواری اتنے میں کہاروں کی آواز آئی "بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا سلامت رکھے ہاں انعام دلوایئے گا"

مہری صاحب بھی ہانپتی ہانپتی سانسیں بھرتی۔ دوپٹہ سنبھالتی۔

باتھوں سے پیک پونچھتی - آہی پہنچیں - دو جب کرتے پہنچے میں
پہلے پردہ جو ایک جانب ڈال دیا گیا تھا سنوارا - ادھر ادھر رکھی اور سنبھلے
اترواتے کو تخت تخت ایک ایک کی جگہ دو دو ریشمی چاندنی اتر گئیں -
کہار سب دستور پہلے ہی سے ناتھے اور گردن کا پسینہ پونچھتے ویسی
کی طرف سے منہ پھیر کر آڑ میں ہو گئے تھے -

مہری - لے اتریئے - سامنے زینہ ہے -

رقیہ - سامنے سے پردہ ہٹا اور اُدھر دیکھنے لگیں مگر جب ہی لپک کے
اتر پڑیں اسکے بعد گوہر بیگم بھی دوپٹہ اور پائنچے سنبھالتی - گرتے پڑتے
اتری کہ کیا ساتھ ہر لکی سی شکن ڈالے نکلیں -

گوہر بیگم - معاذ اللہ کیا گرمی ہے - تمام جان ہلکان ہو گئی

مہری - اچھا اچھا لے اب چلو اوپر -

رقیہ - کدھر ؟

گوہر بیگم - بہن تم سو حد آگے ہے -

رقیہ - اے واہ تم چلو آگے -

گوہر بیگم - یہاں کب تک کھڑے رہیں گے -

رقیہ - تو تم ہی جاؤ نا -

گوہر بیگم - میں اکیلی کیوں جانے لگی -

رقیہ - اے تو کیا میں جانتی تھی - ویسی ہی شوخی سے بجائے منہ بنا کے -

گوہر بیگم - دیکھو بی کی حرکت ترش کرکے ہم بیٹھی جاتی ہیں سب سے پیچھے

امیرن - اے بیوی خدا کے لیے ایسا نہ کرو - (رقیہ سے) اچھا بیگم صاحب
آپ ہی چلئے -

یہاں تو بحث ہو ہی رہی تھی وہاں اوپر مولوی صاحب مولا خبطا کے پیٹ
میں اشتیاق کے کوڈ پیدا ہے - آخر دیکھیں بات کی ہر جگہ اُگے تھے آ گئے
دونوں نے اوپر کے اپنا اپنا منہ چھپا لیا - اور مہری نے ڈانٹ بتائی
نہیں رہتے وہیں سو دیکھے بیچے - نیچے کا گھیرا ہی رہتے گھرانے پر گئے پر تانو چڑکا

تھانے زخمی شکار کی طرح گھبرائے اُلٹے پاؤں سیدھے پھر واپس۔ ایک طرف بیٹھ گئے۔ اتنے میں بہار وقت دونوں سنے نیچے پر قدم رکھا مہری نے پردہ آ، کہاروں کو ڈولی ہٹانے کا حکم دیا اور دونوں بیگمات کو پردے کے اندر جا بٹھایا۔ آپ اسطرح جا کھڑی ہوئیں کہ دونوں طرف صرف گردن کی ادنی گردش سے دیکھ سکیں۔ اب ادھر مولوی صاحب دوزانو بیٹھے منتظر آواز۔ اُدھر گوہر بیگم بتر صد راز و نیاز۔ مہری نے چند منٹ توقف کر کے فوراً ہی قفل سکوت کا کلید کلام سے کھولا۔ اور مولوی صاحب سے یوں کہنے لگیں بے حضور فرمائیے۔ آپ کو تو یقین (یقین) ہی نہ آتا تھا۔ بے ام صاحب نے تکلیف اُٹھائی یا نہیں۔ بس بڑی چالاکی کرنی پڑی۔ حضور کیا کہوں سولی پر جان ہے جبتک پھر وہ گاہ نہ پہونچ لیں۔ ابھی تک کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا ہے۔ اب جو کچھ کہنا سننا ہووے کہہ سُن لیجئے۔

مولوی صاحب۔ بندگی کہدو۔ اور مزاج پوچھ دو۔ واقعی بڑی تکلیف اُٹھائی۔ مگر ویسی ہی مہربانی کی نظر رہے۔ اور کیا کہیں کون بات آپ سے پوشیدہ ہے۔

گوہر بیگم کو یہ دوسرا موقع ہے کہ اُسکی ناانجام بینی اور بے تکلفی نے خلاف امید اسکو اُس حد تک پہونچا دیا ہے جسکی اجازت نہ حیا دیتی نہ عفت دیتی پہلے تو یہ بیباکی اُسوقت ہوا تھا جب کوٹھے پر یکایک سامنا ہو گیا تھا دوسرا اس وقت جب آپنے اپنے کو ایک ہی مکان میں مولوی نصیر سے اتنا قریب پایا کہ صرف ایک ہلکا سا پردہ درمیان۔

رقیہ اور امیرن مہری بھی اگرچہ موجود تھیں مگر نہیں معلوم کیوں وہ انکو بھول گئی تھی۔ اور ایسے موقعوں پر درمیانی اور متوسط کو لوگ کیوں بھول جایا کرتے ہیں۔ باوجود سلام و پیام اسکو یہ گمان کچھ تو ہی تھا کہ کوئی دن دل لگی ہی دل لگی میں ایسا بھی آئیگا کہ یوں یکجا ہونگے رقیہ اگرچہ بچپن کی سہیلی اور ساتھ کی کھیلی اور امیرن بھی ابتدا سے رازدار تھی مگر سچ پوچھئے تو اسوقت اس تنہائی اور بے کسی میں

بھی اگر کسی بات کا اطمینان کسی پر تھا تو مولوی نصیر ہی پر تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسکی کیا وجہ تھی۔ چاہے یہ ہو کہ وہ انکو اپنا چاہنے والا یقین کرتی تھی یا مرد ذات جان کر اپنا محافظ سمجھتی۔ یہ باتیں گوہر بیگم کا دل جانے مگر دراصل تھی یہی وجہ کہ باوجود طرح طرح کی بدگمانیوں کے بھی اگر اس اُجڑے مکان اور ویرانہ باغ میں گوہر بیگم کا دل مضبوط تھا تو صرف مولوی نصیر کی طرف سے۔

اور لطف یہ کہ جس پر اطمینان اُس سے بھی طرح طرح کی بے اطمینانی جو دوا وہی مرض۔ جو باعث تسکین وہی سبب اضطراب۔

مہری کا کلام سنکر گوہر بیگم پہلے تو تھوڑی دیر گردن جھکائے چپ رہی اور سوچنے لگی جواب کیا دے۔ پھر اُسنے رقیہ کی طرف نظر کی۔ گویا پوچھتی تھی کہ "کیوں بہن کیا کہوں؟"

رقیہ کا اپنا کوئی معاملہ نہ تھا اُسکا دل طرح طرح کے پیچیدہ خیالات میں اُلجھا ہوا نہ وہ اس تمام اہتمام اور انتظام کو ایک دل لگی سے سوا سمجھتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ زیادہ غور کرنے کی عادی بھی نہ تھی جو کچھ خیال گزرتا پھٹ سے کہہ گزرتی۔ جو جی میں آتا سنا دیتی۔ اُسنے بلا تکلف مہری کو نزدیک بلا آہستہ سے جواب دیا۔

رقیہ۔ بندگی کہدو۔ مزاج شریف پوچھ دو۔ اور کہہ کہ تکلیف آپکو ہوئی اب فرمائیے آپ کا کیا حکم ہے۔

مولوی نصیر۔ اے ابی جان بوجھ کر آپ انجان بنی جاتی ہیں۔ ہماری آرزو تمنا آپ کو نہیں معلوم۔

رقیہ۔ کیا صاحب۔ آپ کو کیا ہے دستور معلوم ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے اور حضرت ہمکو تو کچھ معلوم نہیں۔ کچھ آپ فرمائیے تو سہی۔

مولوی نصیر۔ اب میں کونسی بات عرض کروں۔ اب بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے۔

رقیہ۔ جی ہاں کیوں نہیں۔ پہلے تو یہی بتائیے آپ ہیں کون۔

مولوی نصیر - جناب ہم بھی بہ خدا ہیں - آپ کے شہر میں مسافر ہیں
آپ کو مہمان نوازی چاہیئے -

رقیہ - چہ خوش - آپ کو بندہ شیطان کون کہتا ہی - آپ جیتے جی پیر واسطے
ہیں - اور ناتی مسافر ہیں - برسوں سے آپ نے اس شہر میں چھاؤنی
چھائی ہے - ... پھر بھی مسافت نہ مٹی - مہمان نوازی بھلا ہم عورتوں
سے کیا ہو سکتی ہی - آپ ہمارے ہاں آئیے - خوب مدارات کر دی جائیگی -

گوہر بیگم - (رقیہ سے) اتنے کہو آپ مسافر ہیں تو کوئی سرائے ڈھونڈھئے
اس اجنبی مکان میں کیوں بسیرا لیا ہے -

مولوی نصیر - (کسی قدر جھینپ کر) ابھی ہم تو آپ مقیم بننا چاہتے ہیں اور
یہیں گھر بسانے کی تمنا ہے -

رقیہ - پہلے یہ تو بتائیے آپ ہیں کون کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

مولوی صاحب پہلے تو اس غیر متعجب سوال سے بہت ہی گھبرائے - اور
پھر بھی اس سکوت پر دست پا چہ ہوئے - مگر بہت کچھ دماغ پر زور ڈالکر
کہنے لگے -

مولوی صاحب - حضرت - عاشق تن ہیں - ابھی ہندوستان سے
آتے ہیں - غریب آدمی ہیں - اگر غلامی میں لے لیجئے جائیں تو حاضر ہی ہے

گوہر بیگم - (اس اطمینان پر کہ رقیہ کی گفتگو سمجھی جائیگی) واہ حضرت -
آپ تو خود معشوق ہونے کے صفات رکھتے ہیں - اور اس انگریزی عملداری
میں غلامی تو غیر ممکن ہے - ہاں کسی رئیس کے ہاں روٹی آٹھ پر کوئی صورت
آپ کی ہو سکتی ہی - انکے ہاں (گوہر بیگم کے ہاں) دربان کی جگہ البتہ ہے
دعا مانگئے اسکا انتقال ہو جائے - آپ کے واسطے بندوبست ہو سکے

مولوی صاحب - جب عاشقی کی تو پھر ان باتوں کا کیا ڈر ہی - یار نہ سہی
دربان سہی - مگر آپ جانتی ہیں رشک تو عاشقی میں بڑی بلا ہی - اگر دربانی
سپرد ہو تو ......

رقیہ - یہ آگ یعنے آپ مطمئن ہو بیٹھنے کی خوب ہوئی - تو پھر منہ دھو رکھئے

یہان آپ کی جگہ نہین ہے اور گھر تاکو۔ کوئی اور محلہ دیکھو۔

مولوی صاحب۔ اگر یہان دال نہ گلی تو یارون نے اور جگہ کی غلامی کب قبول ہے۔

رقیہ۔ اخاہ، تو یہ کہئے سلامتی سے آپ تو بڑے گرما گرم پیٹھے مزیدار آدمی معلوم ہوتے ہین۔ بھلا یہ کہئے تو کسکے عشق کی سیخ پر دل کباب ہے۔

مولوی صاحب۔ ؎

مر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھنگ نکالا ہے
سبھون سے پوچھتا ہے کسنے اسکو مار ڈالا ہے

پوچھئے انھین سے جو آپ کے پاس چپ چاپ بیٹھی ہین۔

رقیہ۔ حضرت الٰہی نہ کہئے یہ تو گپ چپ کے لڈو کھانے بیٹھی ہین مجھے کیا معلوم تھا یہ معاملہ ہے۔ اخاہ اب جا کے یہ بھید کھلا ؎ (طنزاً) بحمد اللہ محبت دونون جانب سے برابر ہے۔ اگر آپ ان پر مرتے ہین تو یہ بھی جان دیتی ہین۔ چلئے پھر اسکا کہنا سننا کیا۔ وہ دل رکھتی تو کیا کرے قاضی۔ جی انکو آپ سے زیادہ خیال ہے اور آپ سلامتی سے ہمیشہ ایسے۔ دن کا چین رات کی نیند آپ کے نذر کر چکین۔ آپ نے خط لکھ کر پیام سلام بھیج بھیج ایسا کچھ اس پری کو شیشے مین اتارا ہے۔ مین کیا کہون اور لوگ اس سے تڑپ کے اور کیا ہوگا کہ جہان تیغ بلا یا بال باندھی چلی آئین۔ خدا کو جان دینی ہے ایمان کی تو یہ ہے۔ آپ بڑے خوش قسمت مین کیا کہون آپ کی طرف سے کتنی جلد انکو دیر ہے۔ مگر بات یہ ہے عورت ذات اور پھر خود مختار نہین۔ بادہ زدہ … پرندہ پر نہین مار سکتا۔ نہ بہو بیٹیون کا یہ شیوہ۔ جی ہی جی مین کڑھتی ہین اور رہجاتی ہین۔ سچ تو یہ ہے آپ بھی بڑے خوش قسمت ہین۔ اسیر بھی اگر گلہ کیجئے تو ناشکر ہین بے۔

مولوی صاحب نے جو یہ باتین سنین تو سچ مچ ریشہ خطمی ہی ہو گئے۔ آپے مین نہ رہے شوق کے تڑپنے وو اتیان جھاڑنی شروع کین۔ گھبرا کے کہنے لگے ہان حضرت دیدار تو دکھایئے۔

رقیہ۔ بھان اللہ ہے بڑی جلدی مزہ مین آگئے آپ۔

آپ نے بھی اتنی بڑی سی بات کیا سمجھ کا تو الٹا سمجھ لی ہے کیا کوٹھے پہ دیکھ کے
بی نہیں ٹھہرا۔

مولوی صاحب۔ بھلا عاشقوں کی ہوس کی آگ ایسے ہلکے چھینٹوں سے بجھتی ہے؟

رقیہ۔ تو پھر کسی بہشتن کی چاہ میں نیت ڈانواں ڈول کیجیے۔ چہ گھڑوں پانی آپ پر ہر گھڑی پڑا کرے گا۔

مگر غیرت دار کو تو چلو بھر پانی کافی ہوتا ہے۔

تخلیہ کا مکان سنسان محلہ تنہائی کا عالم۔ مولوی صاحب کی ہوس شیخ کلن کی تعلیم مہری پر اطمینان یہ سب سامان ایسا نہ تھا کہ آپ کیا موقوف کسی کو دولائی کا کانا پردہ ہلکے سے جھٹکے سے اٹھا دینے پر آمادہ نہ کرتا۔ خصوص جب کنکھیوں سے یہ بھی دیکھ لیا گیا ہو کہ دولائی کی سلائی کھول کر اس طرف سے تاک جھانک بھی ہو جاتی ہے اگرچہ اس سوراخ میں آنکھ اس طرف سے اکثر رقیہ ہی کی دکھائی دیتی تھی اور گوہر بیگم صرف ایک دفعہ کی گنہگار تھی۔ مگر ہمارے مولوی کو کیا پڑی تھی کہ سوا گوہر بیگم کے اور کسی کی آنکھ سمجھتے۔ قریب تھا کہ جوش اشتیاق میں یہ کچھ اور جرأت کر بیٹھیں مگر نیچے کچھ لوگوں کے شور و غل بعضوں کے رونے دھونے کی آواز سن کر ان کا دھیان بٹ گیا۔ چوری چھپے کے کام میں افشائے راز کا خوف۔ پھر عورتوں کا اضطراب ایسا کچھ ہوا کہ مولوی صاحب گھبرا کر نیچے اتر آئے۔ میاں بدلو زینہ پر بیٹھے تھے ان سے معلوم ہوا پڑوس کی ایک بیچاری ساس اور سسر سے لڑ کر پیچھے باغ کے کنوئیں میں گر پڑی تو آپ کو جوش ہوا کہ بہو بچکر اسکی جان بچائیں مگر جب دیکھا تمام مجمع ایک ایک کرکے بازپرس کے خوف۔ پولیس کی تحقیقات۔ گواہی۔ شہادت کے خیال سے چھٹ گیا۔ کوئی چڑیا بھی جگت پر باقی نہ رہی بدلو بھی کھسک کر اپنی کوٹھری میں جا بیٹھے۔ تو یہ بھی الٹے پاؤں پلٹ آئے رنگ میں بھنگ۔ [illegible] میں خلل۔ کام میں دھلم۔ جی ہی میں مسوس

عورتوں کا حال سنتا کہ اسقدر بے پیدا ہو گیا نہ وعدے ہوئے نہ آیندہ
کا انتظام ۔ نہ کبھی کام ۔ مہری نے مولوی کو تہمد سے اتار دو بلی کا ۔
درگاہ کا راستہ لیا ۔ اور مولوی صاحب چپ چپاتے بگھی پر سوار ہو ہوش
کی پوتیاں بغل میں داب فروٹ بھاگے تو گھر ہی پر آ کر دم لیا ۔

باب چوبیسواں

کھڑکیاں چنوائی گئیں روزن در بند ہوئے

دل کے معاملات جس قدر بظاہر پردہ خفا میں مستور ۔ انکشاف اور افشا سے دور معلوم ہوتے ہیں ۔ اسی قدر انکا اظہار کھل جانا تاڑنے والوں کے آگے آئینہ ہو جانا سہل ہوتا ہے ۔ اگرچہ عموماً طرفین سے بعد احتیاط کیجاتی ہے اگر معاملے کی نوعیت چند افعال و حرکات اضطراری کی کیفیت ایسی کچھ ہوتی ہے کہ تجربہ کار قرائن سے صحیح بات جان جاتے ہیں ۔ اور قانونی ثبوت منطقی حجت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اگرچہ اس بات کو گوہر بیگم کے ہاں کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ عادات و مشاغل میں تغیر ہونے لگے پڑھنے لکھنے ۔ اٹھنے بیٹھنے کے اوقات میں فرق ہے ایک شخص کو حرکات و سکنات کا کسی قدر نگران اور متجسس بنا ہی دیا ۔ گوہر بیگم کے ہاں ایک پرانی خرانٹ ۔ فرادکش انا تھی جسنے علاوہ اسکے ماں باپ کی ابتدائی عاشقی معشوقی کے کرشموں کے اور بھی دو چار بجا ماں کے تماشے دیکھے تھے اسکے ہاں نے بھی شوہر کی بہت معمول سے زیادہ بدگمان بنا دی گئی تھی بیشتر بات کے برے ہی پہلو پر نظر رکھنے والی تھی ۔ اسنے جب سے یہ رنگ ڈھنگ دیکھے تھے تو وہ من ہی من کڑھتی ہی جی میں جلا کرتی تھی ۔ مہری کا خلاف عادت بار بار آنا قیصر کے ہر وقت طول طویل مشورے اسکو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے مگر کچھ نہ کہہ سکتی تھی ۔ اسکا بیٹا فیضو مقت کی روٹیاں کھاتا شہر کے بدمعاشوں میں مشہور تھا ۔ اس سبب سے میاں بیوی کی طرف اسکا اکثر گزر ہوتا تھا ۔ اتفاق کی بات جسوقت چار ... کنویں میں گر چکے

یہ بھی وہاں موجود تھا۔ اسنے اور کچھ تو نہیں امیرن مہری کو ضرور ڈولی
کے ساتھ مکان سے نکلتے دیکھ لیا۔ اور اسی روز ان سے یہ سب تذکرہ
بیان کر دیا تھا۔ اناجی نے فوراً مہری کی آمد و رفت اور اسی نو چندی کو
گوہر بیگم کے درگاہ جانے کو ملا جلا کر ایک فرضی قصہ گڑھ لیا۔ اور اب
اسی روز سے ٹوہ میں رہنے لگی تھی۔

ادھر گوہر بیگم ایک روز تو خفت پشیمانی اور دل لگی کی بدولت مفت خدا
کی پریشانی پر منفعل چپ چاپ بیٹھی رہی۔ مگر یہ اسکے نفس کا مکر تھا جسنے
باور کرا دیا تھا کہ اب دل لگی کا خاتمہ ہو چکا اور پھر حسب معمول وہ سکون خاطر
اور بیفکری کے لطف سے بسر کرے گی۔ مرغ دل پھڑک کھا چکا۔ مقید
آزادی کی لذت اٹھا چکا تھا۔ اور بڑی خرابی یہ تھی کہ نہ تو پورے طور سے
اس شراب کا نشہ دماغ کو مختل کر سکا تھا نہ اس نشے کے خمار نے دوران سر
پیدا کیا تھا۔ دل لگی کی ترشی محسوس کی تھی۔ پنبہ دانہ ملا تھا۔ شام عشرت
دیکھی تھی۔ صبح غم تک نہ پہونچی تھی۔ بہار مسرت سے واقف خزان الم سے
نا آشنا تھی۔ پھر ایسی حالت میں آخر اسکو کون چیز مانع ہو سکتی تھی۔
دوسرے ہی دن سے پھر بیچین اور بے صبر ہو چلی۔ اسپر مہری کا شوق دلانا
مولوی صاحب کی بیتابی کی داستانیں سنانا ایسا نہ تھا کہ اب دل میں کچھ
اثر پیدا نہ کرتا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ بمصداق ؎

نہیں روزن جو قصر یار میں پروا نہیں کچھ ہے ۔ نگاہ شوق رخنہ کرتی ہے دیوار آہن میں

گرے کی الماری کھلی اور پنکھے کی ڈنڈی سروتے اور قینچی کی مدد سے اچھا
خاصہ سوراخ بن گیا اور بالمشافہ اعلانیہ راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔
دل لگی کی بھی انتہا ہو۔ انا کی ناراضی جام لبریز ہو چکا تھا بیچاری کہانتک
جلتی۔ آخر ایک روز وہ مردانے میں جا۔ آمین گھر کے سارے حال سنا آئی بلکہ
ایک روز جبکہ دونوں دنیا و مافیہا سے بیخبر۔ ذوق شوق کی باتوں میں
مشغول تھے۔ انکے والد بزرگوار کو چپ چاپ لیجا کر سر پر کھڑا کر دیا۔ اس وقت
کی حالت تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ گوہر بیگم کا تو تو بدن میں لہو نہیں۔

مولوی نصیر دم بخود سنائے میں۔ شاعر صاحب ناموزون مصرعے کی طرح سکتے میں۔ آخر کار اٹھے اور پھر تو بن تڑپتی ہی۔ اس انا سے تڑپ کر بولے "ابھی ہمارا کردو یہ رکھا ہمارے سامنے" انا نے لپ جھپ چھوٹی تھی جو جو کے واسطے باورچی خانے کے کونے میں پڑی تھی سان سون رکھا چھوڑ دیا۔ اور یہ حضرت آنکھیں نیلی پیلی کرکے گردن جھکائے باہر چلے گئے۔

گوہر بیگم کا حال نہ پوچھئے۔ جبتک یہ کارروائی ہوتی رہی دم بخود مینڈک کی طرح پھولی بیٹھی رہی۔ ادھر باپ کا باہر جانا کہ زار و قطار رونا شروع کردیا روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ تر دامنی کے استعمال پر دوپٹے کے دونوں آنچل تربتر کئے۔ دستی رومال شرابور ہو گیا۔ ذری ہچکیاں تھمیں تھیں کہ انا کو ہزاروں ہا قلمبند کوسنے گالیاں۔ صلواتیں سنائیں۔ کمرے سے نکلنا چھوڑ دیا دو دالان کے پلنگ پر دراز جو ہوتی ہو تو اب منہ نہیں کھولتی۔ دل میں طرح طرح کے جوش اٹھتے ہیں۔ اور ہانڈی کے ابال کی طرح بیٹھ جاتے۔ کبھی تو انا کا منہ جوتوں سے کچلنے۔ زبان دانتوں سے داغنے کو اٹھتی۔ کبھی کھڑے کھڑے مولوی کے گھر اٹھ کھڑے ہونے پکر باندھتی۔ کبھی زندگی اجیرن۔ جان وبال ایسا اجڑا گھر جنجال معلوم ہوتا۔ کبھی کچھ کھا کے سو رہنے کو جی چاہتا۔ اگر جی بہلانے کو کوئی کتاب اٹھاتی تو بھی زہر عشق۔ شعلہ عشق۔ دریائے عشق کی مثنویاں ٹھہر ٹھہر کے جل تھل بھر دیتی۔ اشعار بھی یاد آتے تو بقول میر حسن ؎

غزل یار باعث ہوا کوئی فرد تو — اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد
جہاں بیٹھنا آہ کرنا اسے تو — بہانا نزاکت پہ دھرنا اسے

خصوصاً اس شعر کا یہ قطعہ تو ہزار ہزار دفعہ پڑھتی اور آخری مصرعے پر گھنٹوں ہچکیاں بندھ جاتیں۔

قطعہ

ایک دن رو لے کے کچھ لوگوں کو ساتھ — تربتیں یہ کہہ کے دکھاتے رہے
اس میں مجنوں ہے اور اس میں کوہکن — عاشقاں ناز تھے جاتے رہے
بعد اس کے جب ہماری قبر پہ — دیر تک افسوس فرماتے رہے

سب نے تعجب پوچھا کہ اُمین کون ہے — آپ جو رہ رہ کے پچھتاتے رہے
ہنسکے بولے دیتی کا سے مزار — جان دیدی لاکھ سمجھاتے رہے

الغرض اتوانی اکثر ایسی باتیں پڑی تھیں کہ بی مہری مولوی صاحب سے کچھ سن گن پاکے وہ بے ہاتھ پاؤں ڈری سہمی داہنے بائیں بھی نظروں سے دیکھتی انا کی طرف سے ہوئی تھی بیٹھیں - مہری کا پہونچنا اور گوہر بیگم کی جان میں جان آنا - اکیا . گی اُٹھ بیٹھی اور الماری کی طرف اشارہ کرکے کہا - آج تو بڑا غضب ہو گیا - انا کو خدا غارت کرے اسکی قبر میں کیڑے پڑیں - اسی نے سب لس لیا - دیکھو تو سہی تو میں گوہر بیگم جو اسکو گلی گلی بیدیکے نہ منگواؤں - موئی نمک حرام بشتل ابا کو لاکے سر پر کھڑا کر دیا اور مجھے تو انکی غیرت اور کچھ پرواہ آتی ہے - آکے سامنے کھڑے ہو گئے اور لگے منہ کھا بند کرانے اور جو میں اپنی والی پہ آجاتی دو دو باتیں گفتگو شروع کر دیتی تو کیا رہ جاتی - اب تم اتنا کہدینا ہماری زندگی ہو چکی جینے سے دل سیر ہو چکا بقول شخصے ؎

آئیں تو موت ہی آئی شباب کی بدلے

یہ کہکے دل بھر آیا اور زار و قطار رونے لگی - مہری نے بھی آنسو بہائے آہ سرد بھری - دلاسا دیا - کہنے لگی -

مہری - بیٹی رنج نہ کرو - زندگی ہو تو خدا سب کام پورے کر دیگا گھبرانی کیوں ہو - کیا کہوں تمہارا رنج دیکھا نہیں جاتا تامل کیا کروں بس کی بات نہیں خیر جو ہوا سو ہوا - خدا اور کوئی صورت نکال دیگا - لے بیٹی میں جاتی ہوں انا سن گن نہ پائے نہیں مجھ سے بھی نہ پا دیگی -

گوہر بیگم نے جلدی جلدی مختصر سا رقعہ لکھدیا اسکے ساتھ رومال جو اپنے آنسو سے تر بتر ہو رہا تھا حوالہ کیا کہ یہ نشانی ہماری طرف سے دیدینا

باب پچیسواں

ہنستے ہی گھر بسے ہیں

گوہر بیگم کے والد بزرگوار ہمارے شاہ صاحب قسم قسم کے روح فرسا خیالات، رنج و غم لیے ہوئے گھر سے نکلے۔ سب سے پہلے تو مرحومہ بیوی کے غم میں ایسا جی لگا کہ تہِ دل سے روئے کہ شاید مرنے پر بھی نہ روئے ہونگے اسوقت جو دقتیں خیال میں بھی نہ تھیں وہ اب واقعات میں ہویدا ہوئی ہیں۔ پھر مولوی نصیر پر غصہ آیا۔ صاحبزادی کی اس حرکت پر رنج ہوا۔ صورت سے نفرت ہوگئی۔ نکاح کرکے گلو خلاصی حاصل کرنے کی فکر ہوئی اور آخر کو یہ ٹھان لی کہ جس طرح ہو جلد اور بہت جلد شادی سے فراغت کر دینی چاہیے۔

اسی وقت خدمتگار کو بلا فوراً چھوٹے بھائی کو جو دوسرے محلے میں رہتے تھے رقعہ لکھا۔ بیگم کو ابھی وقت سوار کرکے بھیجدو۔ دو چار روز یہاں رہجائیگی ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اور تم بھی آج شام کو ضرور آنا۔ الحاصل بھائی بھاوج آئے اور شب کو مشورہ ہو گیا۔ کہیں جلد بات ٹھہرانی چاہیے زندگی کا کیا اعتبار۔ لڑکی ماشاءاللہ سیانی ہوتی جاتی ہے۔ میں کربلا جانیوالا ہوں بہتر ہے یہ کام میرے سامنے ہو جائے

ایک ہی گھر کی بات گوہر بیگم سے چھپ تو سکتی نہ تھی اسنے دوسرے ہی دن مولوی نصیر کو اطلاع دی۔ یہاں مولوی صاحب حواس باختہ مضمحل و رنجور عقل و خرد سے دور ہو رہے تھے۔ شیخ کلن سے سارا درد دل کہا انھوں نے گوہر بیگم کے والد کو پیام پہونچانے کا بیڑا اٹھایا۔ مختصر یہ کہ کوئی پانچ چار سو روپیہ اینٹھ کے شادی کا پیام بخوش عنوانی دے ہی دیا اور ساتھ ہی اسکے ایک خاص واقفکارانہ ادا کے ساتھ آخر میں یہ بھی کہہ گزرے کہ حضرت مصلحت یہی ہے۔ آپ خود سمجھدار ہیں۔ آمین سانپ بھی مرتا ہے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی۔ گوہر بیگم اول بالخلقت بیباک۔ اسپر بے حد جھنجھلائی ہوئی تیسرے شیخ کلن کا ہمدردی کے ذریعہ سے خفیہ مشورہ۔ چوتھے زمانۂ آزادی کا زعم۔ ان سب باتوں نے لٹھ ہو کے اسکو باپ کے نام رقعہ لکھنے پر آمادہ ہی کر دیا۔ اسنے یوں لکھا "میرے پیارے ابا جان۔ ظاہری شرم اور حجاب

لی ہے تو میرا کچھ عرض کرنا گستاخی ہے۔ مگر اتنی بڑی بات میں کچھ نہ بولنا
سراسر عقل کے خلاف ہے اس سے میں ایک بات آپ کو لکھتی ہوں میں نے
سنا ہے شیخ کلن جہاں سے بات لائے ہیں وہ اچھی جگہ ہے آپ میری
رضامندی سمجھئے اور جگہ منظور نہیں۔ آگے آپ دین اور دنیا کے
مالک ہیں اور آپ کو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ زیادہ سامان
نہ کیجئے گا۔ اماجان کا زیور موجود ہے اور جو کمی ہو اسکا نقد دیجئے۔ چلتے
یہ وقت جب یوں طے ہوئی تو مہینہ بیس دن میں سامان کر کے ان حضرت
نے گلو خلاصی کی الحمد للہ شکر ادا کیا کہ بات بہوٹنے نہ پائی۔ جھگڑا بآسانی
فیصل ہو گیا۔ ادھر گوہر بیگم نے چوتھی چالوں کے بعد مولوی صاحب کا گھر
آباد کیا۔ اور اپنے ذہن میں پوری آزاد ہو گئیں۔ میکے کا لطف تو اول ماں
کے نہ ہونے سے پہلے ہی سے کم تھا اور اب تو عشق و محبت کی جگہ پہونچ گئی
تھیں۔ پھر ساس نندوں سسرال کا غم بھی خدا کی عنایت سے ندارد
باطمینان تمام طبیعت کی جولانی اور مزاج کی بیباکی کا موقع ملا۔ دن عید رات
شب برات بجنے لگی۔

باب چھبیسواں

نرخ ہے ہر طرت ہے مرگ کی جان پر

اب ہمارے مولوی نصیر کی مسرت و شادمانی کے دو کو ماہ چہاردہ گوہر بیگم کے
بیاہ آنے پر کمال نصیب ہو چکا۔ شیخ کلن کی مساعی کی کشتی ساحل مراد پر
پہونچی۔ مولوی صاحب کی بکار گزاری کی خوردگی کا بھی تھل بیڑا لگ گیا مگر
آپ جانیے دنیا کے گھنچکر میں سکون و تعطیل کہاں۔ معاملہ یہیں تک پہونچکے
رک جانے سے رہا۔ اسباب و نتائج کا ملدورا آخر آگے کو بڑھا چاہے
گوہر بیگم کا شان نزول پرانے ڈھنگ کا تو تھا نہیں کہ مخلصہ بالطبع ہونے کیواسطے
کچھ زمانہ درکار ہوتا۔ اور اس مہلت میں وہ انس جو گھرداری کیواسطے زن و شو
کو درکار ہوتا ہے پیدا ہو جاتا۔ یہاں تو عاشقی معشوقی اور مہذب کورٹ شپ

سے بے تکلفی کا راستہ پہلے ہی سے انگریزی سڑکون کی طرح وسیع اور صاف
کر رکھا تھا۔ نا شوقی کی گھڑی بے تکان تک ٹٹ زن سے نکل گئی۔ اور ابھی
پورا مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ دونون دلون مین پہلے اطمینان خاطر نے رہائی
اطمینان کی پاشنہ کوب لاپروائی آئی۔ اور لاپروائی دو ہی چار دن مین دھوبیا
کو بھی لگا لائی۔ طلسم عشق سحر حسن ٹوٹا۔ جان محبت سے جسم قالب چھوٹا ناظر منظر
کا تیر نظر صورتون سے گزر کر سیرتون تک پہونچا۔ اختلاف مذاق و مزاج کی
کوسی دھوپ نے درگزر اور رعایت کا کچا رنگ اڑا دیا۔ جوہر اڑا صرف عرض
رہگیا۔ عود سے بو گئی لکڑی رہی۔ جواہر کی آب ہوا ہوئی۔ پتھر رہگیا۔ گل مین خار
نوش مین نیش۔ تریاق مین زہر دکھائی دینے لگا۔ جن اداؤن پر جان
جاتی تھی جس شوخی و شنگی پر دل پستا تھا۔ وہی باعث کلفت و موجب نفرت بنے۔
تبسم زہر خند بنا تلخی نے بار نفرت سے آنکھ بچی کی۔ دونون اگر نظر اٹھا
تو ایک دوسرے کی آنکھ بچا کے کچھ پیتے تو شہر شہر کے ادھر ادھر لگی لہو کا اثر
آنکھیاولی بدگمانی۔ غیرت موروثی۔ بیچارے مولوی جی ہی جی مین منفعل پشیمان
نیچ۔ ہوجاتے اور خون جگر کھا کے خاموش ہو رہتے۔

گوہر بیگم بالخلقت ایک بے چین طبیعت کی عورت تھی۔ گھر مین چپ چاپ
صرف مولوی نصیر کی زوجیت اور عصمت داری کو لیکر بیٹھنا اس سے غیر ممکن
تھا۔ سے محلے کی دو چار ہمجولیان جن مین بیاہیان نہ بیاہیان سبھی طرح کی
شامل تھین دن بھر گھر مین دھما چوکڑی مچانے۔ ڈھولک پیٹنے۔ طبلہ
بٹ بجانے کو جمع رہتین۔ نوکر چاکر ماماین اصیلین جنکا نمبر مولوی صاحب
کی محبت۔ پاس خاطر اور اظہار ثروت نے کئی کوڑی تک پہونچا دیا تھا گوہر بیگم
کی بے موقع بے تکلفی۔ بدزبانی کھلنڈرے پن سے نہایت شوخ چشم گستاخ
اور خود سر ہوگئین۔ مولوی صاحب کو معشوقہ تو ملین مگر دل کے چین اور
اطمینان خاطر سب کو طلاق ہوگئی گوہر بیگم مولوی صاحب کو اظہار عشق
کی بدولت کمترین شوہران تو آگے ہی سمجھنے لگین تھین۔ اب سوء مزاجی نے
یہان تک نوبت پہونچا دی کہ ادھر انکو دیکھا اور ادھر غصے کا بھوت

سر پر سوار ہوگیا۔ آپ ہی آپ خوبی پینڈ چاہتی۔ ہر وقت ناک چوٹی گرفتار
بیٹھی ہیں۔ کھانا کیسا ہی نفیس ہو مگر گوہر بیگم کو مزا نہیں ملتا۔ کپڑا
کتنا ہی اچھا ہو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ہر بات پر جھائیں جھائیں کرتے کرتے
زبان بھی بے انتہا خراب ہوگئی۔ گالیاں کوسنے تکیہ کلام۔ اکثر کڑھنے
ناک بھوں چڑھانے سے چہرے کا کھلا پن بشرہ کی بشاشت کافور ہوئی
بقول آتش سہ نگہ نیم بھی رخصت ہوئی تھی دم کا لیان صاحب کی زبان کتنی گز کی تھی نیز بچے ہر لمحہ
ساری ساری رات ہچکیوں سے دھما چوکڑی مچی تھی یا اگر تھک تھکا کے پلنگ آگئی
تو لڑتے لڑتے صبح کردی نیند حرام ہوگئی چھیڑ چھیڑ کر خود ہی لڑتی اور خود ہی گھنٹوں
ٹسوے بہاتی۔ سہاگ کو آگ لگاتی۔ اگر مولوی بیچارے باہر جا گئے تو جانے بھی
نہ دیتی۔ چوڑیاں کھا جانے جان دینے پر دھمکاتی۔

یہ آفتیں تو تھی ہیں سب پر طرہ یہ ہوا کہ انھیں ہجولی شغلوں کے
مشورے سے آپ نے گھر میں اندر سبھا قائم کی۔ کوئی لال کوئی زمرد
کوئی پکھراج کوئی نیلم پری بننے لگی۔ کوئی کالا دیو بنتی کوئی لال دیو کا
روپ بھرتی۔ اور خود ہمیشہ سبز پری کا پارٹ لیتی۔ چندے تو ایک لڑکی
نازک گلفام بنتی رہی بعد کو اسکا بھائی کوئی سولہ سترہ برس کا جو چند روز
کسی تھیٹر میں رہ چکا تھا رفتہ رفتہ چھپ کے آنے لگا۔

ادھر تو اپنی مہری اور شیخ کلن کی طبیعت بھی ہتھے سے اکھڑ گئی۔
کیا وجہ کہ انسان کو تو خدا نے بہت بڑا احسان فراموش اور احسان
یاد رکھنے والا بنایا ہے۔ اگر یہ کسی پر ذرا سا بھی احسان کرتا ہے تو بہت کچھ
یاد رکھتا۔ اور جو کوئی اس پر احسان کرتا ہے اسکو بہت آسانی سے
بھول جاتا ہے۔ شیخ کلن کو یہ دعوی کہ یہ سب میری ہی جوتیوں کے صدقے
میں ہوا۔ میرا حق ہے اب بھی مولوی صاحب میرے ہی ہاتھوں پر خانگی
معاملات کا سر انجام کریں۔ مہری گھر میں۔ مختاری کے عہدے کی
مدعی۔ مولوی تو شادی کے بعد سے محض زن مرید ہو گئے تھے۔ گو ہر بیگم ہی گوہر بیگم
رہ گئی تھیں۔ میرا ایسا مزاج کی کہ اپنے محسن کی صورت اس بنا پر دیکھنی

چاہتی تھین کہ آنکھ بچی کر بی تپ بنی تھی۔ مہری کو تو انھون نے ناز کے نخرے سے جوتیان مار کر نکال دیا تھا۔ رقیہ اپنے میان کے ساتھ حیدرآباد دکن سدھار چکی تھین۔ اب شیخ کلن نے رقیہ بیگم کے نام سے روپیہ کھانے پا اندر باہر سے مردود ہو گئے تھے۔ یہ پچھلے بیٹھنے والے آدمی تو تھے ہی نہو انھون نے کچھ تو احسان فراموشی کے جرم کی پاداش اور بہت کچھ طبیعت کی افتاد سے عدالتی کشاکش کی سزا تجویز کر دی کیونکہ جھنجھٹ کے مارے مولوی نے سر راہ دیوار کی مرمت کرائی تھی اور راہ مرد کا درخت جو مکان کے اندر رہا تر شوا ڈالا تھا۔ شیخ کلن نے میونسپلٹی سے دو مقدمے قائم کرا دیئے۔

اب یہ لاکھ کہتے ہین صاحب ہمارا مکان ہماری دیوار آخر ہمکو سرکار کی اجازت کیا درکار تھی مگر کوئی سماعت نہیں کرتا گوہر بیگم خدا کی عنایت سے مزاج کی تنک تو تھی ہی تھین ایک ماما کی چھوکری کو انہین ایک طمانچہ مار دیا تھا اتفاق کی بات تیسرے چوتھے دن وہ کوٹھے سے گر پڑی اور دماغ مین ایسا کچھ صدمہ ہو گیا کہ رات بھر مین مر گئی۔ شیخ نے جو سن پایا شادی مرگ ہو گئے منھ مانگی مراد ملی۔ مولوی کو ستانے دق کرنے کا حیلہ ہاتھ لگا جس طرح بنا جھٹ اسکی ماں سے ملے ہمدردی جتائی اور آمادہ کر دیا کہ موت کا سارا الزام مولوی صاحب کی بیگم کے سر تھوپے

خدا جانے انسانی طبیعت مین یہ بات کس سبب سے ہے کہ جس سے جسقدر محبت۔ الفت۔ مامتا۔ ہوگی۔ اسکی موت کی وجہ اُسی قدر خلاف معمول مظلومیت لیے ہوئے پسند کرے گا حتی الوسع اسکا دل یہی ڈھونڈھے گا کہ اُس سے ہمدردی کرنے والون کیواسطے زوداثر سامان مہیا ہو جائے۔ امیر رئیس بادشاہ اکثر اپنی موت مرین مگر زہر کا شبہ تلاش کر کے پیدا کیا جائیگا۔ ماں اولاد کی موت کو ڈائن کی نظر اثر یا آسیب تو جادو سحر پر ضرور محمول کرے گی۔ اس معاملے مین بھی ماں کی مامتا بآسانی آمادہ ہو گئی گوہر بیگم کی مار پیٹ کو بیٹی کے مرنے کا سبب

قرار دیا جائیگا۔ شیخ کی ہدایت کے مطابق تھانے پر رپورٹ ہوگئی۔
پولس والے آپ جانیے ایسے معاملے تاکا ہی کرتے ہیں۔ انھوں نے
آکر مولوی کو گھیرا ادھر شیخ کلن نے بذات خاص دیوانی فوجداری مین
مولوی کے نام نالشین جڑدین۔ ایک تو اُس پروٹوش کی بابت جو
انھون نے کرتون کی قیمت کا لکھ دیا تھا اور دوسری فوجداری مین اس
بات کی کہ مجھے جعلی چک بنک کے نام لکھ دیا حالانکہ وہاں انکا ایک
حبہ بھی نہ تھا اسکے علاوہ اہل محلہ سے ایک درخواست دلوادی کہ
بظاہر انکی وجہ معاش کچھ نہین معلوم ہوتی انسے مچلکہ لیا جائے کہین
مولوی نصیر بدبختی جو سوار ہوئی تھی تو آپ نے گھوڑے گاڑی کا بھی
شوق فرمایا تھا۔ مگر میونسپلٹی کے دفتر مین اطلاع نہ دی تھی شیخ نے
وہان بھی مخبری کر کے ایک مقدمہ قائم کرادیا۔ آنکے نام اطلاعنامہ آیا
وجہ بیان کرد تیے کیون مقدمہ نہ قائم کیا جائے۔
غرضکہ ہمارے موکل بیچارے بہر طرف سے آفتون کا ترضہ ہوگیا۔
شیخ کلن جو نفس ناطقہ تھے وہ یون بگڑ گئے۔ اب یہ لاکھ بلاتے ہین مگر
مکان ہی پر نہین ملتے۔ اگر ملے تو دور دھر۔ آپ راحصنا شکنی مین مبتلا
مگر پیام زبانی ضرور کہلا بھیجے کہ دیکھیے مین پاس نمک کرتا ہون۔
بہتر ہی دس ہزار روپیہ گھر بیٹھے بھجوا دیجیے ورنہ آپ کے واسطے اچھا نہوگا
یہ بیچارے اگلے زمانے کی روح اور دنیا مین جب تھے تب بھی ایسے
ملک مین کہ جہان یہ ترقی و تہذیب قانون آجتک نہ دیکھے تھے ذرا
ذراسی بات ایک سخت مصیبت معلوم ہوتی۔ آخر گھبرا کر وکیلون۔
بیرسٹرون کے ہان دوڑ دھوپ شروع کی وہان عجیب ہی رنگ
دیکھا کہ یہ تو مصیبت کی داستان روتے ہین وہان اسس بلا کی
سنگدلی کہ بجز محنتانے کے اور کوئی بات جی لگا کے سنتے ہی نہین
جو کچھ جواب اپنی افریقی سمجھ کے مطابق بتاتے ہین وہ یہان کے ہمہ
ضابطے اور آئین کے سانچے مین سماتا نہین۔ سب سر دیا ہے

بن مانوں کی طرح جھنک کر رہجاتا ہے - جن جن حضرات کو مقدمہ دیا سب نے مصنوعی ہمدردی کے ساتھ لے تو لیا مگر دلداری کے وقت جب ضرورت ہوئی وکیل صاحب دو سو سے ہی اجلاس پر جھنک کے یہیں آنکی داد و بیداد پر متوجہ نہیں ہوتے - اب کہاں کا عیش اور کہاں کا آرام اور کیسی عاشقی - دن دن بھر حیران سرگردان - دیوانے کتوں کی طرح پھرنا اور رات کو گھر پر بیگم کے حرکات و سکنات اور بد مزاجی بد زبانی کے چرکے دل پر کھانا - بس یہی دنیا میں دو کام رہ گئے -

باب ستائیسوان

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اسکی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

ہمارے بلبل صاحب عرف مسٹر جانسن موکل کی طرف سے مایوس ہو چکے - ملاقات سے ہاتھ دھو چکے تھے - اوس کا خیال لوح خاطر سے اسطرح مٹ چکا تھا جسطرح سلیٹ پر سے کے حروف - ایک روز دیکھتے کیا ہیں بلا طلب و اجازت وہی آنکھ کے تارے میاں موکل جامہ تہذیب کوٹ پتلون اور ترکی ٹوپی کہ کبھی فکر ہی سے معرا ایسی بھلی شکل صورت میں سامنے آکر موجود ہوگئے پہلے تو صاحب بہادر اس خیال سے کہ مدفعہ شاید کسر لینے آئے ہیں بہت ہی گھبرائے - ہکا بکا منہ کھولے حواس باختہ اوکی دم فاختہ رنگ گئے جب موکل نے تسکین دی گھبرائیے نہیں میں آپ سے ایک ضروری بات کہنے آیا ہوں تو گئے حواس آئے - ڈرتے ڈرتے بولے بہت اچھا فرمائیے آپ کو کیا کہنا ہے - موکل نے کہا جناب مسٹر جانسن آپ جانتے ہیں انقلاب زمانہ اور گردش آب و دانہ سے مجھے یہاں آنے کا اتفاق ہوا - ماشا وکلا جو کبھی مجھے اسکی ہوس ہو کہ ہندوستان میں زندگی بسر کروں - مگر جب یہاں پہونچا اور ظاہری ٹیم ٹام آرام آسائش عیش و عشرت ضوابط و قوانین و دادرسی - اور

حق رس ہوکے آئین رفاہ عام وخاص کے ظاہری سامان دیکھے اور اس
ملک کی عام حالت سے مقابلہ کیا جسمین میرا اتنا زمانہ صرف ہوا تھا
تو میرے نزدیک اس ملک مین تمام نعمات موجود پائی گئین جو انسان کی
روح وجسم کو جنت کے سامان کی طرح عیش وراحت بخشنے والی
ہو سکتی ہین اور سب سے بڑھکر جس امر نے مجھکو گرویدہ بنالیا وہ آزادی
کا شہرہ تھا۔ جسنے مجھے یہ سبز باغ دکھایا کہ یہان نہ غلامی روا ہے اور نہ
باضابطہ معاہدے اور معاوضے کے بغیر کسی کو حق ہے کہ آزادی خیال تو
کہاں کوسون ہے۔ آزادی اشغال مین خلل انداز ہوسکے۔ مگر لاحول ولا

چو دم بردا شتم مادہ برآمد

ٹائین ٹائین فش۔ ذاتی تجربہ کے بعد یہ حال کھلا کہ یہ سب ڈھول
کے اندر پول تھا۔ سب سے بڑی اور اہم بات تو یہ ہے کہ یہان اب مغربی
علوم جدیدہ کی ناپائدار چمک سے لوگون کی چشم بصیرت بالکل کور ہو گئی
ہے لوگ علم کے اعلے اور مقدس نتائج سے بالکل محروم ہین روحانیات
اور الٰہیات کے لطیف اور پاک مباحث کے سمجھنے کا مادہ اسطرح
کھو بیٹھے ہین جس طرح کہ زمین بند اپنے پر مغربی فلسفی بیچارے جو بھی
چند روز آنکھ مندے پڑے تھے کچھ کچھ آنکھ کھول چلے ہین مگر وہ اپنی اقالیم
اور کواکب کی تاثیر سے ایک نہایت ذلیل اور پست راستے سے مادیت
کی جانب تحت الثریٰ کو چلے جاتے اور بیچارے خود بغلین بجاتے ہین
کہ ہمنے علوم و فنون کے ذریعہ سے مقناطیسی قوت جرثقیل۔ برق کی
طاقت سے اس عالم مادی مین نفسانی ضرورتین اور نجس خواہشین
پوری کرنے کے سامان بہم پہونچالیے ہین۔ بس یہی ہماری زندگی
کا ماحصل اور یہی کارنامہ ہماری افضلیت کا ڈپلومہ ہے۔ انھون نے
ظلمت جہل مین گرفتار ہوکر نفس ذہن انسانی کی شرافت اور روح
کی پوری قوت کا صحیح اندازہ کرنے کی قابلیت ہی ضائع کردی ہے
اور اسی وجہ سے یہ لطیف جزو انکے تمام علمی اور عملی سیاسی پولیٹکل

سوشل اور مذہبی معاملات سے بالکل معدوم ہوگیا ہے اور جب وہی نہین
با تو اسکے تاثیرات بھی ایسی جگہون سے مسدود ہوگئی ہین۔ اہل بصیرت
کی نظر مین یہ مادی ترقیان بچون کے کھلونون سے زیادہ ذلیل اور حقیر
ہین۔ آجکل برقی قوت مین اعجاز دکھانے کا بڑا ادعا دعویٰ ہے مگر کوئی صاحب
بتا تو دین کہ آخر اس قوت کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے۔ مقناطیس لوہے
کو کیون کھینچتا ہے۔ وہ کیا ہے جو مسمریزم مین ایک کو عامل اور دوسرے کو معمول
بناتا ہے۔ حقیقی آزادی سعادت دارین۔ اخلاق۔ سیاست وغیرہ کیونکر
عمل اور صحیح اصول پر آسکتے ہین۔ آزادی کا یہ حال کہ اپنا گھر خود اپنی تجارت
بہا رو دونے۔ پانی پینے تک کا اختیار نہین۔ انصاف کی یہ کیفیت کہ
گران دام بیچے جاتے ہین اور ایسی مشکوک چیز دیکھائی ہے کہ جسکی اصلیت
کا خود بیچنے والے کو اطمینان نہین ہوتا اور جسکے واسطے ایک نہایت
ناپائدار عارضہ ترمیم و تنسیخ مین گرفتار قانون کے سانچے مین معاملہ
ڈھال جاتا ہے۔ باقی انصاف کا خیال دل مین نہین پھٹکنے پاتا۔ سوسائٹی
اخلاق اور مذہب کی کڑیان کبھی کی بے اعتقادی کے قدموں سے میل کھا چکی ہوئی
ہین۔ اسکو سے اور دوسرے علم کی ناپائدار جہت مین یہ بھی نہایت کمزور ہو ہار
اور اسکی وجہ سے تمام سلسلہ اخلاق و عادات و سوسائٹی کا اس طرح الجھ گیا ہے
جیسے اور سے کوئی موٹی بہت سی کڑیون کی زنجیر۔ ایک دوسرے کو حقوق اس
بیمروتی کی چاشنی کے ساتھ بتائے گئے ہین کہ ملازم و آقا۔ اعزا دوستون مین
وہ دلی تعلق جو اطمینان قلب کے ساتھ برتاؤ کرنیکے واسطے ضروری تھا بالکل
جاتا رہا۔ آئین ملکداری چونکہ بلا لحاظ اقوام بنے ہین ایسے بیجوڑ اور ڈھیل
جھول کہ جیسے اس درزی کی سی ہوئی پوشاک جسنے صاحب فرمائش
کے جسم کی نہ پیمائش کی ہو نہ کوئی نمونہ دیکھا ہو۔ ہزارہا جھول لاکھون
چرسین۔ خلاف درزی کی موجود۔
میری شامت کہ مین نے جامہ انسانی ایسے وقت اور ملک مین اختیار
کیا کہ پوری طرح سے بہت جلد سرا سے اعمال کو پرکھ گیا۔ صنعت ہے اس

عیش و عشرت اور آرام برین محض یاد رہ سکتا ہے ایسے ایسے بکھیڑون
اور جھگڑون مین پھنس گیا ہون کہ اسوقت انکی تفصیل نہین کرسکتا
نہ انکی آفات سے بچ سکتا۔ لہذا اب ایسی حالت مین سفر ہوکر ادھی سید صاحب
ملک کو واپس جاتا ہون آپ سے رخصت ہوتے آیا ہون۔ مجھے اپنی وہی
حالت پسند ہے۔ اگر کوئی صاحب لوح کے ذریعہ سے خدمت لینی چاہین
انھین عکسون مین آنکھ جاتی روحانی ترقیان ہین۔ مین انکی
تابع ہمت ہون۔ لے خدا حافظ

نہ بہشت ہی ملا اور نہ ساغر پایا
ساقیا لے تری محفل سے چلے جو پایا

خاتمہ

حضرات ناظرین! داستان نیرنگی زمانہ تمام۔ و زبان مصنف در کام۔
مولف ہندوستان اور سندھ اپنی خدمت سے رخصت۔ کتاب مین عیوب
اور دنیا مین نکتہ چینیون کی کمی نہین۔ تاہم اگر مہربانون نے ہمت
بڑھائی اور زمانہ کے ہاتھون فرصت بھی میسر آئی تو گوہر بیگم کی قصہ لائف
مقدمات کا ترجمہ شیخ کلن کا حشر۔ کریم کی مع قافلہ واپسی سلوک کی جستجو
رحیم کی سیر سفر ہی۔ یہ سب اور بھی کبھی پیش کیے جائین گے۔ یار زندہ
صحبت باقی۔

احمق الذین

(مصنفہ اڈیٹر اودھ پنچ)

یہ ظرافت کا ناول ہے۔ سلیس اور شستہ عبارت میں اُن احمقوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے جو باوجود لیاقت اور قابلیت نہ ہونے کے ریفارمر کے زمرہ میں موقع بےموقع کوشش کر کے اپنی اور کل ملک کی عافیت تنگ کرتے ہیں۔ دو دو مرتبہ چھپ چکا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ قیمت ۸/

میٹھی چھری

(مصنفہ اڈیٹر اودھ پنچ)

نہایت دلچسپ معنی خیز۔ رؤسا ملک کا تنزل۔ دنیاداروں کی چالاکیاں مؤثر طور پر بیان ہوئے ہیں جسے محض قصہ نہیں تاریخ دانوں کی نظر غائر سے دیکھنے اور سمجھنے کے لائق ہیں۔ اسکی اب بہت کم جلدیں باقی ہیں اور شاید ہی مصنف چند چھپوائیں۔ قیمت ۱۲ علاوہ محصول۔ دفتر اودھ پنچ سے مل سکتی ہے

حیات شیخ چلی

مصنفہ منشی سجاد حسین مرحوم اہلکار سرکار نظام۔ شیخ چلی کی سوانح عمری اسکے حالات اور اصول طرز سوانح نگاری کا اچھا مضحکہ۔ قیمت ۸/ دفتر اودھ پنچ سے مل سکتا ہے۔